حدیث

اور اس کے اصول وضوابط

مؤلفہ

عبدالخالق ندوی

حدیث

اوراس کے اصول وضوابط

مؤلف

عبدالخالق ندوی

استاد حدیث جامعۃ الصالحات، رامپور

مرتبہ

شمع انجم صالحاتی

معلمہ جامعۃ الصالحات، رامپور

نام کتاب : حدیث اور اس کے اصول وضوابط

مؤلف : عبدالخالق ندوی

مرتبہ : شمع انجم صالحاتی

اشاعت : 2010

قیمت : -/120 روپے

مطبع : بھارت آفسیٹ پریس، دہلی-۶

ناشر : حاجی فیصل رحمٰن صدیقی
بینک کالونی، سول لائن، رام پور

Publisher:

Haji Faisal Rahman Siddiqi
Bank Colony, Civil Lines, Rampur (U.P.)

ملنے کے پتے:

۱- مدھر سندیش سنگم، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵

۲- مکتبۃ الفہیم، فرسٹ فلو، ریحان منزل، دھوبیہ املی روڈ، صدر چوک، مئو ناتھ بھنجن (یوپی)

کمپوزنگ: خالد فیصل، نئی دہلی، موبائل: 09899383815

زیر اہتمام: محمد عبدالسلام بستوی فلاحی، الفلاح کتابت سینٹر، گھیر حسن خان، رامپور، یوپی
Mob. 09359115230, Email: asb_alfalah@yahoo.in

فہرست

پیش لفظ

الحمدلله رب العالمین والصلاۃ والسلام علی محمد بن عبداللہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین.

حدیث شریف پڑھنے اور پڑھانے والے کے لیے فنِ حدیث کے اصول وقواعد اور اس کے ضوابط سے واقفیت بے حد ضروری ہے، کیوں کہ ایک حدیث پڑھنے اور پڑھانے والا ان قواعد وضوابط کی شناخت اور ان سے واقفیت کے ذریعہ حدیث صحیح وضعیف، مقبول و مردود، حسن اور موضوع کے درمیان تمیز کرسکتا ہے۔ حدیث کے اصول وضوابط کی وہی حیثیت ہے جو عربی عبارت کو صحیح پڑھنے کے لیے نحو کے قواعد کی حیثیت ہے، گویا حدیث کے اصول و ضوابط حدیث کی شناخت اور اس کی پرکھ کے لیے کسوٹی ہیں۔

حدیث کے اصول وضوابط کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ہم دیکھتے ہیں کہ محدثین عظام نے تدوینِ حدیث کے دور سے اب تک ہر دور میں اس فن کے اندر اپنی کاوش وتخلیق پیش کی ہے مثال کے طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے دور میں ''الرسالۃ'' کتاب تحریر کی۔ اور اپنی شاہکار تصنیف ''الأم'' کے اندر بھی جا بجا حدیث کے اصول بیان کیے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کا آغاز سند اور حدیث کے اصول سے کیا ہے۔ امام ابوداوٗدؒ نے بھی رسالہ لکھا جس میں اپنی سنن کی حدیث کے بیان کرنے کا طریقہ قلم بند کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے ''العلل المفرد'' لکھا ہے، جس کا تذکرہ انھوں نے جامع الترمذی

کے اخیر میں کیا ہے۔ اور اپنی جامع الترمذی میں بھی جا بجا حدیث کے اصول بیان کیے ہیں۔ امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر، تاریخ اوسط اور تاریخ صغیر یہ تین کتابیں تحریر کی ہیں جن میں راویوں کے حالات اور سنِ وفات کے اعتبار سے ان کی زندگی کے واقعات قلمبند کیے ہیں۔

تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محدثین عظام نے تقریباً تین سو سال تک حدیث کی کتابوں ہی میں جا بجا حدیث کے اصول وضابطے بیان کیے ہیں، چوتھی صدی ہجری میں سب سے پہلے قاضی ابو محمد متوفی ۳۶۰ھ نے ایک مستقل کتاب قلم بند کی، جس کا نام تھا "محدث فاضل" لیکن ان کی یہ کتاب اصولِ حدیث کے موضوع پر ہمہ پہلو محیط نہ تھی۔ ابوعبداللہ النیسابوری متوفی ۴۰۵ھ نے بھی ایک کتاب قلم بند کی اور ان کے بعد ابونعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ نے اصولِ حدیث کے موضوع پر کتاب لکھی، لیکن ان سب کتابوں میں ترتیب کی کمی اور موضوع کے احاطہ کا جھول رہا۔ اس کے بعد خطیب ابوبکر البغدادی متوفی ۴۶۳ھ کا دور آیا، انھوں نے روایت کے اصول وضوابط کے موضوع پر "کفایۃ" نامی کتاب زیور تحریر سے آراستہ کیا اور روایت کے آداب کے موضوع پر "الجامع لآداب الشیخ والسامع" کتاب تحریر کی، غرض انھوں نے اصولِ حدیث کے ہر فن پر جامع کتاب تحریر کی۔ ان کے بعد جتنے لوگ آئے اور انھوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی سبھی لوگوں نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے اور سبھی لوگ ان کے خوشہ چیں ہیں۔ قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نے "اِلماع" نامی کتاب تحریر کی۔ اور ابوحفص الیانجی نے بھی ایک کتاب لکھی، جس کا نام تھا "مالا یسع المحدث جہلہ" اس کے بعد یہی کتابیں رائج رہیں، یہاں تک کہ شیخ ابن صلاح متوفی ۶۴۳ھ کا زمانہ آیا اور انھوں نے مقدمہ ابن صلاح کے نام سے اپنی مشہور کتاب تصنیف کی، ابنِ صلاح کی یہ کتاب جامع ہے کیوں کہ انھوں نے اس کتاب کے اندر خطیب بغدادی اور ان سے پیش رو عالموں کی کتابوں کا عطر وخلاصہ اور ان سب کی منتشر چیزوں کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے، اس لیے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ابنِ صلاح کا مقدمہ بہت ہی جامع اور

اپنے موضوع پر مکمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کے لوگوں نے مقدمہ ابن صلاح کی تشریح اور اس کے اختصار اور اس کے نظم کا کام کیا ہے۔

ابنِ صلاح کے بعد مفسر قرآن امام ابن کثیرؒ نے "الباعث الحثیث" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ حافظ ابن کثیرؒ کی یہ کتاب بہت ہی آسان اور مبسوط کتاب ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے جابجا ابنِ صلاحؒ پر استدراک کیا ہے اور اس کے علاوہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی کتاب نخبۃ الفکر بھی اس فن کی اہم کتاب ہے۔

غرض یہ کہ عربی زبان میں اس فن کی مفصل ومختصر، مبسوط وغیر مبسوط ہر طرح کی کتاب ہر دور میں لکھی گئی، لیکن اردو زبان میں اصولِ حدیث پر کوئی مبسوط اور مفصل کتاب نہ تھی جس کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کیوں کہ آج کل حدیث شریف کی زیادہ تر کتابیں اردو زبان میں منتقل ہوگئی ہیں ان کو اردو داں طبقہ پڑھتا ہے، اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ اردو زبان میں بھی حدیث کے قواعد وضوابط مرتب کردیے جائیں تاکہ اردو داں طبقہ روشنی میں حدیث شریف کا مطالعہ کرسکے۔ اور اس کے سامنے حدیث کی حفاظت اور تدوین کے سلسلے میں محدثین کی کوششیں اجاگر ہوں اور حدیث کی روایت کے اصول وضابطے اور درایت کے ضابطے بھی واضح ہوجائیں۔

یہ ضرورت بہت دنوں سے محسوس کی جارہی تھی کہ آج سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے عزیزہ شمع انجم صالحاتی معلمہ جامعۃ الصالحات، رامپور نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ سہ پہر میں تین چار بجے کے درمیان اصولِ حدیث پر آپ کے محاضرے ہوجاتے تو بہت اچھا ہوتا، خواہش چونکہ نیک تھی اس لیے میں نے فوراً ہی بخوشی اس درخواست کو قبول کرلیا اور یہ کام شروع ہوگیا۔ شروع میں ان کے ساتھ دو تین خواتین اور تھیں، لیکن وہ اپنے اس سلسلے کو باقی نہ رکھ سکیں اور انھوں نے درمیان ہی میں چھوڑ دیا لیکن عزیزہ شمع انجم صالحاتی نے یہ سلسلہ قائم ہی نہ رکھا بلکہ اس سلسلے میں اپنے شوق وذوق، لگن اور دلچسپی کا مظاہرہ کیا، میں نے ان سے کہا کہ وہ ان محاضرات کو کتابی شکل میں مرتب کردیں، چنانچہ انھوں نے بہت ہی اچھے انداز میں

اس کام کو انجام دیا جو آپ کے سامنے پیش ہے۔ آپ اس کا مطالعہ کریں اور اپنے مشوروں سے نوازیں، آپ کے مشورے ہمارے لیے مفید ہی نہیں بلکہ بیش قیمت ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس معمولی کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس کو آخرت میں نجات کا اور رفع درجات کا ذریعہ بنائے اور جو بھی اس کا مطالعہ کرے اس سے اس کو نفع پہنچائے۔

انه سميع مجيب.

عبدالخالق ندوی

۱۴۳۱/۲/۱۰ھ

- سنّت
- حدیث
- خبر
- أثر

سنّت

سنّت کا لغوی معنیٰ:

لغت میں سنّت کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔۔

ا- سیرت یا طریقہ، خواہ اچھا ہو یا برا۔ درج ذیل حدیث میں لفظ سنّت بمعنی طریقہ استعمال ہوا ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَن سنَّ فی الإسلامِ سنَّةً حسنةً فلهٗ أجرُها و أجرُ مَن عَمِلَ بِهَا مِن بعدِهٖ من غير أن يُنقَصَ من أجورِهم شيئ، ومن سنَّ فی الإسلام سنَّةً سيئةً كان عليه وِزرُها وَ وِزرُ من عملَ بها مِنْ بعده من غير أنْ يُنقَصَ مِن أوزارِهم شيئ۔ (رواه مسلم)

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے اس کا اجر ہے اور اس کے بعد جس شخص نے بھی اس پر عمل کیا، اس کا بھی اجر ہے، بغیر اس کے کہ ان کے اجر میں کچھ کمی کی جائے۔ اور جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ رائج کیا تو اس پر اس کا گناہ ہوگا اور اس کے بعد جس شخص نے بھی اس پر عمل کیا اس کا بھی گناہ ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی کی جائے۔“

(۲) سنت بمعنی راستہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان:

لَتَتَّبِعَنَّ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ (الحديث)

”ضرور بالضرور تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے راستوں کی اقتدا کرو گے۔“

(۳) اللہ کے حکم یعنی اوامر ونواہی اور فیصلہ کے لیے بھی سنّت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

درج ذیل آیت میں لفظ سنّت بمعنی حکم استعمال ہوا ہے:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا

(الکھف:۵۵)

''اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی تو اسے قبول کرنے اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے وہ صرف اس لیے باز رہے کہ اُن کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو جو پہلوں کے ساتھ ہوا یا سامنے ہی سے ان پر عذاب آجائے۔''

اصطلاحی معنیٰ:

سنّت کا کوئی ایک اصطلاحی معنیٰ متعین نہیں ہے، بلکہ مختلف لوگوں نے سنّت کی مختلف تعریفات کی ہیں۔

(۱) علماء اصولِ فقہ کی تعریف:

كلُّ ما نُقِل عن النبی ﷺ من قولٍ أو فعل أو تقرير۔

''ہر وہ قول فعل یا تقریر جو رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا گیا ہو۔''

(۲) فقہاء (علماءِ فقہ) کی تعریف:

ما ثبت عن الرسولِ ﷺ ولم يكن فرضاً أو واجباً۔

''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور فرض یا واجب نہ ہو۔''

(۳) علماءِ وعظ وارشاد کی تعریف:

يعرّفونها بأنّ السنة مقابل البدعة۔

''ہر وہ چیز جو بدعت کے مقابلے میں ہے۔''

(۴) علماءِ حدیث کی تعریف:

هی كلُّ ما صدر عن النبیِّ ﷺ من قولٍ أو فعلٍ أو تقريرٍ أو صفةٍ خِلقيةٍ أو خُلقِيَّةٍ أو سيرةٍ سواء كان قبل بعثة النبی

ﷺ أو بعدها۔

''ہر وہ قول، فعل، تقریر، خلقی یا خلقی صفت یا سیرت جو رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوئی ہو، خواہ وہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے کی ہو یا بعد کی۔''

تجزیہ:

مذکورہ بالا تمام تعریفات پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علماءِ اصولِ فقہ و علماءِ فقہ کی توجہ ایک خاص نکتہ پر مرکوز ہے۔ وہ سنت میں احادیث کے صرف اس حصے کو شامل کرتے ہیں، جس سے کوئی حکم یا نکتہ نکلتا ہو۔ جبکہ علماءِ حدیث کی نظر تمام احادیث پر ہے۔ اس لیے ان کی تعریف میں بھی وسعت ہے اور سب سے اچھی تعریف انہیں کی ہے۔

علماءِ حدیث کی تعریف کی وضاحت

(۱) قول:

قول سے مراد آپ ﷺ کے ارشادات ہیں، جیسے:

عن عبداللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال المسلم من سَلِمَ المسلمونَ من لسانِہ ویدہ، والمهاجر من هجرَ، ما نهی اللہ عنه۔ (رواه البخاری)

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان کہلانے کا مستحق وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔ اور مہاجر وہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جائے۔''

عن أنسٍ عن النّبی ﷺ قال: لا یومِنُ أحدُکم حتّی یُحِبَّ لأخیهِ ما یحِبُّ لنفسِهٖ۔ (رواه البخاری)

''حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے، جو اپنے لیے کرتا ہے۔''

(۲) فعل:

فعل سے مراد آپ ﷺ کے اعمال ہیں جیسے:

حدّثنا آدمُ بنُ أبی إیاسٍ قال: حدّثنا شُعبَةُ قال: أخبرنا أبومَسْلمَةَ سعیدُ بنُ یزیدَ الأزدِیُّ قال: سألت أنس بن مالكٍ: أكان النبیُّ ﷺ یُصلِّی فی نعلَیهِ؟ قال: نعم.

(رواه البخاری)

''سعید بن یزید ازدی نے کہا میں نے انس بن مالکؓ سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اپنے دونوں جوتوں میں نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔''

یا جیسے آپ ﷺ کا ارشاد:

صلّوا کما رأیتمونی أصلّی. **(البخاری)**

''اس طرح نماز ادا کرو جس طرح مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''

یا جیسے آپ ﷺ کا ارشاد:

خُذوا عنّی مناسِکَکُم. **(مسند احمد)**

''مجھ سے تم لوگ اپنے حج کے ارکان وافعال حاصل کرو۔''

(۳) تقریر:

تقریر سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کوئی کام کیا گیا، لیکن آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہ فرمائی یا پھر اظہارِ پسندیدگی فرمایا اور تائید بھی فرمادی۔

نکیر نہ فرمانے کی مثال:

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال النبیُّ ﷺ یومَ الاحزابِ "لما یصلِّینَّ أحدٌ العصرَ إلّا فی بنی قُریظَةَ" فأدرك بعضهم العصرَ فی الطریقِ فقال بعضهم: لا نُصلّی حتی نأتیها. وقال بعضهم: بل نُصلّی، لم یُرِدْ منا ذلك. فذُکرَ ذلك للنبیّ ﷺ فلم یُعَنِّف واحداً منهم. (رواه البخاری)

''ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ احزاب کے دن نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی بنی قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے۔'' چنانچہ بعض لوگوں نے راستے میں عصر کا وقت پایا۔ تو ان میں سے کچھ نے کہا کہ ''ہم بنو قریظہ پہنچ کر ہی عصر کی نماز پڑھیں گے۔'' اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ''ہم نماز ادا کریں گے آپ ﷺ کا مطلب یہ نہ تھا۔'' چنانچہ یہ بات نبی کریم ﷺ کے سامنے بیان کی گئی تو آپؐ نے ان میں سے کسی کو نہ ڈانٹا۔''

دوسری مثال:

عن عبدالله بن عباسٍ رضي الله عنهما، عن خالدِ بنِ الوليدِ أنّه دَخل مع رسولِ الله ﷺ بيتَ ميمونةَ، فأتيَ بِضَبٍّ محنوذٍ، فأهوى إليه رسولُ الله ﷺ بيده، فقال: بعضُ النسوة: أخبروا رسولَ الله ﷺ بما يريدُ أن يأكلَ، فقالوا هو ضبٌّ يا رسولَ اللهِ فرفعَ يدَهُ فقلتُ: أ حرَام هو يا رسولَ الله؟ فقال: لا، ولٰكنَ لم يكُن بأرضِ قومي، فأجدني أعافه" قال خالدٌ: فاجترَرتُه فأكلتُه ورسولُ الله ﷺ ينظرُ. (رواه البخاري)

''عبداللہ بن عباسؓ خالد بن ولیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ نبی ﷺ کے ہمراہ حضرت ام المؤمنین میمونہؓ کے حجرے میں داخل ہوئے چنانچہ ایک بھُنا ہوا گوہ پیش کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا تو ایک زوجہ مطہرہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جو چیز کھانا چاہ رہے ہیں، اس کے بارے میں بتادو۔ لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ گوہ ہے۔ تو آپؐ نے اپنا ہاتھ ہٹالیا، میں (خالد بن ولیدؓ) نے کہا کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اس کا کھانا حرام ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: نہیں، لیکن یہ ہمارے یہاں نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس کے کھانے کے سلسلے میں میں اپنے اندر ایک طرح کی کراہت پاتا ہوں۔ حضرت خالدؓ نے کہا: میں نے اس کو اپنی طرف کھینچا اور کھایا جب کہ رسول اللہ ﷺ دیکھ رہے تھے۔''

تائید واستحسان کی مثال۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی۔

آخی النبی ﷺ بین سلمان و أبی الدرداء، فزار سلمان أبا الدرداء، فرأی أمّ الدرداء متبذّلة، فقال: ما شأنك؟ قالت: أخوك أبوالدرداء، لیس له حاجة فی الدنیاء فجاء أبوالدرداء، فصنع له طعاما، فقال له: کل فإنی صائم، قال: ما أنا بآکل حتی تأکل، فأکل، فلما کان اللیل ذهب أبوالدرداء یقوم، فقال له: نم فنام، ثم ذهب یقوم، فقال له: نم، فلما کان آخر اللیل، قال سلمان: قم الآن، فصلیا جمیعا، فقال له سلمان، إنّ لربّك علیك حقا، وإن لنفسك علیك حقا، ولأهلك علیك حقا، فأعط کلّ ذی حق حقّه، فأتی النبی ﷺ فذکر ذلك له، فقال النبی ﷺ: صدق سلمان۔ (رواہ البخاری عن أبی جحیفة وهب بن عبدالله)

''رسول اللہ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی اور ابودرداء کے درمیان بھائی چارہ کرایا، چنانچہ سلمان فارسیؓ ابودرداءؓ کے یہاں گئے، انھوں نے حضرت امِ درداء کو پھٹے پرانے کپڑے اور سادہ حالت میں دیکھا، تو حضرت سلمانؓ نے کہا آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ اس حالت میں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ابودرداءؓ تشریف لائے، تو انھوں نے حضرت سلمانؓ کے لیے کھانا تیار کرایا اور ان سے کہا کھائیے، میرا روزہ ہے۔ حضرت سلمانؓ نے کہا: میں اس وقت تک نہیں کھاؤں گا، جب تک کہ آپ نہ کھائیں۔ چنانچہ انھوں نے کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو ابودرداءؓ نماز کی تیاری کرنے لگے تو سلمانؓ نے کہا سوجایئے تو وہ سوگئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نماز کی تیاری کرنے لگے تو ان سے کہا سوجایئے۔ چنانچہ جب آدھی رات ہوگئی تو سلمانؓ نے کہا: اب تیار ہوجایئے چنانچہ دونوں نے نماز تہجد پڑھی اور ان سے حضرت سلمانؓ نے کہا کہ بلاشبہ تمہارے مالک کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا بھی تم پر

حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا بھی تم پر حق ہے تو ان سب کا حق ادا کرو۔ پھر نبیؐ کے پاس حاضر ہوئے اور پورا واقعہ سنایا تو آپؐ نے فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا۔"

(۴) صِفَةٌ خُلُقِيَّةٌ

صفة خُلقية سے مراد آپ ﷺ کی اخلاقی صفات ہیں۔ جیسے:

عن ابن عباسٍ رضی اللّٰہ عنہما قال: کان رسولُ اللہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم أجودَ الناسِ وکانَ اجودَ ما یکون فی رمضانَ حین یلقاہُ جبریلُ، وکان جبریلُ یلقاہ فی کلِّ لَیلَۃٍ من رمضانَ فیُدارسه القرآنَ، فلرسولُ اللّٰہِ ﷺ أجودُ بالخیر منَ الریحِ المُرسلۃِ۔ (ریاض الصالحین، باب الجود و فعل المعروف والإکثار من الخیر فی شهر رمضان)

"حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اور آپ کی سخاوت رمضان میں اس وقت زیادہ ہو جاتی تھی، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے اور جبرئیل علیہ السلام رمضان شریف کی ہر رات میں آپ سے ملاقات فرماتے تھے اور قرآنِ کریم کا دور کرتے تھے چناں چہ رسول اللہ ﷺ خیر کے معاملے میں چھوڑی ہوئی ہواؤں سے زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔"

وعن عائشة رضی اللہ عنها قالت: کان رسولُ اللّٰہِ ﷺ إذا دَخل العشرُ أحیا اللیلَ، وأیقظَ أهلَه وشدَّ المئزرَ۔ (حوالہ سابق)

حضرت ام المؤمنین عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ پر رمضان المبارک کا آخری عشرہ سایہ فگن ہوتا تو آپؐ شب بیداری فرماتے اور اپنے گھر والوں کو بیدار کرتے اور کمر بستہ ہو جاتے۔"

وعن أنسٍ رضی اللّٰہ عنه قالَ کانَ رسولُ اللّٰہ ﷺ أحسَنَ الناسِ خُلقاً۔ (ریاض الصالحین، باب حسن الخلق)

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں اخلاق کے

اعتبار سے سب سے بہتر تھے۔"

وعن عائشة رضى الله عنها قالت: كانَ خُلقُه القرآن.

(رواه الامام أحمد فى مسنده)

"ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ کا اخلاق کریمانہ سراپا قرآن تھا۔"

(۵) صِفَةٌ خِلقِيَّةٌ

صفة خِلقية سے مراد آپ ﷺ کی وہ صفات ہیں، جو آپ ﷺ کی شکل وصورت اور حلیہ سے متعلق ہیں جیسے:

عن انس رضى الله عنه قال: ما مَسسْتُ ديباجاً و لا حريراً أَليَنَ مِن كفِّ رسولِ الله ﷺ، ولا شممتُ رائحةً قطُّ أطيبَ مِن رائحةِ رسولِ الله ﷺ.

(رياض الصالحين، باب حسن الخلق)

"حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے کسی دیباج اور ریشم کو رسول اللہ ﷺ کی ہتھیلی سے نرم ونازک نہ پایا اور نہ کبھی آپ کی خوشبو سے بہتر کوئی خوشبو سونگھی۔"

یا جیسے:

كان عريض المنكبين، كثُّ اللحيةِ كثير الشعرِ لونه أبيض مشرّب بحمرة الخ (يراجع البخارى (صفة النبى ﷺ) ومسلم (الفضائل)

"رسول اللہ ﷺ چوڑے مونڈھے والے تھے، آپؐ کے داڑھی کے بال گھنے اور زیادہ تھے، آپ کا رنگ سرخ سفید تھا۔"

(۶) سیرة:

"سیرة" سے مراد آپ ﷺ کی ولادت سے لے کر وفات تک کا تمام عمل ہے اور اس سے متعلق جو باتیں سیرت نگاروں نے لکھی ہیں وہ سب بھی سیرت میں شامل ہیں۔

■❖■

حدیث

حدیث کا لغوی معنیٰ:

لغت میں حدیث کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے:

(۱) حدیث کا لغوی معنی ہے ''جدید'' اور یہ ''قدیم'' کی ضد ہے مثلاً کہا جاتا ہے:

صدر الکتاب حدیثا۔ (نئی کتاب شائع ہوئی)

(۲) حدیث ''خبر'' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں حدیث بمعنی خبر آیا ہے۔

فبأيِّ حديثٍ بعده يؤمنون۔ (المرسلٰت: ۵۰)

''اب قرآن کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔''

فليأتوا بحديثٍ مثله إن كانوا صٰدقين (الطور: ۳۴)

''اچھا اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسی ایک ہی بات یہ بھی تو لے آئیں۔''

أفمن هذا الحديثِ تعجبون۔ (النجم:۵۹)

''پس کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو؟''

فجعلناهم أحاديث و مزّقنٰهم كلَّ ممزّق۔ (سبا:۱۹)

''اس لیے ہم نے انہیں گزشتہ افسانوں کی صورت میں کر دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیے۔''

(۳) لغت میں لفظ حدیث ایک تیسرے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، جو درج ذیل ہے:

كلُّ كلامٍ يبلَغُ الإنسانَ عن طريقِ السمعِ أو عن الوحيِ۔

''ہر وہ کلام جو انسان کو سن کر یا وحی کے ذریعے پہنچے۔''

جیسے درج ذیل آیت میں حدیث اس کلام کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، جو انسان کو کسی سے سن کر حاصل ہو جائے:

وإذ أسرَّ النبیُّ إلی بعضِ أزواجِهِ حدیثاً فلمّا نبأت به وأظهرَ اللهُ علیه عرَّفَ بعضَهُ و أعرضَ عن بعضٍ۔
(التحریم: ۳)

''اور یاد کر جب نبی نے اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات کہی پس جب اس نے اس بات کی خبر کر دی اور اللہ نے اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا تو نبی نے تھوڑی سے بات تو بتادی اور تھوڑی سی ٹال دی۔''

اسی طرح سورہ یوسف میں حدیث بمعنی منام (خواب) استعمال ہوا ہے:

وکذلك یجتبیك ربك ویعلمك من تأویل الاحادیث ویتمَّ نعمتهٗ علیك وعلیٰ آلِ یعقوب۔ (یوسف: ٦)

''اور اسی طرح تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی یا خوابوں کی تعبیر بھی سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھے بھرپور عطا فرمائے گا۔''

وکذلك مکّنّا لیوسفَ فی الارضِ ولِنُعلّمُه من تاویلِ الاحادیث۔ (یوسف: ۲۱)

''اور یوں ہم نے مصر کی سرزمین میں یوسف کا قدم جمادیا کہ ہم اسے خواب کی تعبیر کا کچھ علم سکھادیں۔''

ربِّ قد أتیتنی منَ الملكِ وعلَّمْتَنی مِن تأویلِ الأحادیث۔
(یوسف: ۱۰۱)

''اے میرے پروردگار! تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے خواب کی تعبیر سکھلائی۔''

اسی طرح درج ذیل احادیث میں ''حدیث بمعنی الہام'' استعمال ہوا ہے۔

قد یکون فی الأممِ قبلکم محدَّثونَ (أی ملهمون) فإن یکن

فی أمتی منهم أحد، فإنَّ عمر بن الخطاب منهم.

''تم سے پہلے لوگوں میں خداداداصلاحیتوں والے (مسلم) لوگ ہوا کرتے تھے، چنانچہ اگر ان میں سے کوئی ایک میری امت میں ہوا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔''

حدیث کا اصطلاحی معنیٰ:

حدیث کی اصطلاحی تعریف وہی ہے، جو محدثین نے سنّت کی تعریف کی ہے۔ یعنی:

کلُّ کلامٍ ما صَدَرَ عن النبیِّ ﷺ من قولٍ أو فعلٍ أو تقریرٍ أو صفةٍ خلقیةٍ أو خُلُقِیَّةٍ أو سیرةٍ سواءٌ کان قبلَ بعثة النبی ﷺ أو بعدَها۔

''ہر وہ قول، فعل، تقریر، خلقی یا خلقی صفت یا سیرت جو رسول اللہ ﷺ سے صادر ہوتی ہو، خواہ وہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے کی ہو یا بعد کی۔''

حدیث کی قسمیں

حدیث کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حدیثِ عام (۲) حدیث قدسی

حدیثِ عام:

حدیثِ عام دو طرح کی ہوتی ہے:

(الف) توقیفی (ب) توفیقی

حدیثِ توقیفی

حدیثِ توقیفی وہ حدیث ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ''من جانب اللہ'' فرمائی۔ قرآنِ کریم کی وضاحت آپ ﷺ ''من جانب اللہ'' ہی فرماتے تھے:

وما ینطق عن الهوى إن هو إلّا وحی یوحی۔ (النجم: ۳،۴)

''اور وہ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے ہیں، وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔''

حدیثِ توقیفی کا حکم:

صحیح حدیثِ توقیفی پر ایمان نہ لانے والا کافر ہو جائے گا۔

حدیثِ توفیقی

اللہ کے رسول ﷺ نے بحیثیت انسان اپنی زندگی کے تجربات کی روشنی میں جو کچھ فرمایا، وہ حدیثِ توفیقی کہلاتی ہیں۔

حدیثِ توفیقی کا حکم:

حدیثِ توفیقی کا منکر کافر نہ ہوگا۔

حدیثِ توفیقی کی مثال:

عن رافع بن خديج رضى الله عنه قال: قدم النبى ﷺ المدينة وهم يأبّرون النخل فقال ما تصنعون؟ قالوا كنّا نصنعه قال لعلّكم لولم تفعلوا كان خيراً فتركوه فنقصت قال فذكروا ذلك له فقال إنما أنا بشر إذا أمرتكم بشئ من أمر دينكم فخذوا به وإذا أمرتكم بشئ من رائى فإنما أنا بشر۔ (رواه مسلم، مشكوٰة المصابيح ، ۲۸)

''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے جب کہ لوگ کھجوروں کو گابھا دیا کرتے تھے، تو آپؐ نے فرمایا تم یہ کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے کہا: ہمارے باپ دادا ایسا کرتے آرہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا توقع ہے اگر تم لوگ ایسا نہ کرو تو زیادہ بہتر ہو؟ تو ان لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا تو پھل کم آیا۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپؐ نے فرمایا میں انسان ہوں جب میں تمھیں دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جب کسی چیز کا اپنی رائے سے حکم دوں تو میں انسان ہوں۔''

حدیث قدسی

حدیثِ قدسی کی تعریف:

ھو کلُّ ما أضافهٔ الرسولُ ﷺ و أسنده إلی ربِّه عزّوجلً مِن غیرِ القرآنِ الکریم.

''ہر وہ حدیث جس کی نسبت آپ ﷺ نے اپنے رب کی طرف کی ہو اور وہ قرآن کریم نہ ہو۔''

حدیثِ قدسی کی روایت کے طریقے:

حدیثِ قدسی دو طرح سے روایت کی جاتی ہے:

(۱) **قال رسول اللہ ﷺ فیما یروی عن ربه.**

(۲) **قال اللہ تعالی فیما رواہ عنه رسول اللہ ﷺ**

درج بالا دونوں طریقوں میں سے پہلا طریقہ محدثین کے نزدیک زیادہ اہم سمجھا جاتا ہے۔ اور یہی زیادہ مستعمل بھی ہے۔

حدیثِ قدسی کو حدیثِ الٰہی اور حدیثِ ربّانی بھی کہا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کی وجہ سے حدیث کہتے ہیں اور قدسی و ربانی و الٰہی اللہ تعالیٰ کی نسبت کی وجہ سے کہتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ تمام دوسری احادیث ''حدیثِ عام'' کہلاتی ہیں۔

حدیثِ قدسی کی مثالیں:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنه قال: فإنّی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: قال اللہ تبارك وتعالیٰ: وجبت محبتی للمتحابین فیّ، والمتجالسین فیّ، والمتزاورین فیّ والمتباذلین فیّ۔ (رواہ المالک فی المؤطا)

''حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میری محبت میرے لیے باہم محبت

کرنے والوں اور باہم مل بیٹھنے والوں، اور ایک دوسرے کی زیارت کرنے والوں اور جان و مال کی بازی لگانے والوں کے لیے واجب وضروری ہے۔"

(۲) قال الله تبارك و تعالیٰ: إذا همّ عبدی بسئية فلم يعملها فاكتبوها له حسنة، فإن عملها فاكتبوها له سيئة، فإن تاب فامحوها عنه، وإذا همّ عبدی بحسنة فلم يعملها فاكتبوها له حسنة، فإن عملها فاكتبوها بعشرة أمثالها إلى سبع مائة ضعف.

(رواه ابن حبان عن ابی الدرداء عن رسول الله ﷺ)

"اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جب بھی میرا بندہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو انجام نہیں دیتا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ برا کام کرے تو اس کے لیے ایک برائی لکھ دو۔ چنانچہ اگر وہ توبہ و استغفار کرے تو اس برائی کے اثرات مٹادو اور جب بھی میرا بندہ کسی اچھے کام کا ارادہ کرتا ہے اور اس کو انجام نہیں دیتا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو اور اگر وہ انجام دے تو دس گنا سے بڑھا کر سات سو گنا تک لکھ دو۔"

قرآن اور حدیثِ قدسی کے درمیان فرق

قرآن کی تعریف:

هو كلام الله المتحدّى باكثرِ سورِه، المكتوب في المصاحف، المنقول بالتواتر، المتعبَّدُ بتلاوته، المنزَّلُ على النبيّ ﷺ بواسطةِ جبريل المبدوء بسورة الفاتحة والمختتم بسورة الناس۔[1]

"اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے، جس کی اکثر سورتوں کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے جو

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے مناهل العرفان اور مباحث في علوم القرآن

مصاحف میں لکھا ہوا ہے، تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس کی تلاوت کے ذریعے عبادت کی جاتی ہے، جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نبی کریم ﷺ پر نازل کیا گیا ہے اور سورۃ الفاتحہ سے شروع ہوتا ہے، سورۃ الناس پر ختم ہو جاتا ہے۔"

اس تعریف کی روشنی میں قرآن اور حدیثِ قدسی کے درمیان درج ذیل فرق واضح ہوتے ہیں:

(۱) قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ جبکہ حدیثِ قدسی میں صرف معانی من جانب اللہ ہوتے ہیں اور الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہوتے ہیں۔

(۲) قرآن کریم کی تلاوت کے ذریعے اللہ کی عبادت کی جاتی ہے، یعنی ہم لوگ نمازوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ جبکہ حدیثِ قدسی کی تلاوت کے ذریعہ اللہ کی عبادت درست نہیں ہے۔ یعنی کوئی شخص نماز میں سورۂ فاتحہ اور سورۃ کے بجائے حدیثِ قدسی پڑھ کر نماز ادا کرنا چاہے تو نماز نہ ہوگی۔

(۳) قرآن کریم کے ثبوت کے لیے تواتر[۱] شرط ہے جبکہ حدیثِ قدسی کے ثبوت کے لیے تواتر شرط نہیں ہے۔

(۴) قرآن کریم کا سب سے اہم وصف یہ ہے کہ وہ صفت اعجاز سے متصف ہے کہ اس کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کے ذریعہ چیلنج کیا گیا ہے جب کہ حدیثِ قدسی کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔

حدیثِ قدسی اور حدیثِ عام کے درمیان فرق

حدیث کے سلسلے میں محدثین کی دو رائیں ہیں:

پہلی رائے:

پہلی رائے کے مطابق حدیثِ قدسی اور حدیثِ عام کے درمیان یہ فرق ہے کہ حدیثِ عام میں الفاظ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوتے ہیں اور معانی کبھی بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کی

---

[۱] تواتر سے مراد یہ ہے کہ اس قدر کثیر تعداد نے اس کو بیان کیا ہو جس کا جھوٹ پر متفق ہونا ناممکن ہو۔

جانب سے ہوتے ہیں اور کبھی آپ ﷺ کی طرف سے اجتہاد ہو۔تے ہیں۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر قرآنِ مجید کی تبیین وتفسیر کی ذمہ داری ڈالی تھی۔

وأنزلنا إليك الذكر لتبين للناس ما نزّل اليهم ولعلّهم يتفكرون۔ (النحل:٤٤)

"اور اب یہ ذکر ہم نے تم پر نازل کیا تاکہ تم لوگوں کے سامنے اس تعلیم کی تشریح و توضیح کرتے جاؤ، جو اُن کے لیے اتاری گئی ہے اور تاکہ لوگ (خود بھی) غوروفکر کریں۔"

جبکہ حدیثِ قدسی میں معانی من جانب اللہ ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

دوسری رائے:

دوسری رائے کے مطابق حدیثِ عام اور حدیثِ قدسی کے درمیان یہ فرق ہے کہ حدیثِ عام میں معانی من جانب اللہ ہوتے ہیں اور الفاظ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہوتے ہیں، جبکہ حدیثِ قدسی میں قرآن کریم کی طرح الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن کی تلاوت کے ذریعے عبادت درست ہے جبکہ حدیثِ قدسی کی تلاوت کے ذریعے نماز درست نہ ہوگی بلکہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

اعتراض:

دوسری رائے پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ حدیثِ قدسی میں روایت بالمعنیٰ جائز ہوتی ہے۔ اگر قرآن کریم کی طرح اس کے الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہیں تو پھر روایت بالمعنیٰ جائز نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرا اعتراض:

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں "لا یمسّہ إلّا المطھرون" شرط ہے اگر حدیثِ قدسی کے الفاظ و معانی دونوں من جانب اللہ ہیں تو حدیثِ قدسی میں بھی یہی شرط ہونی چاہیے۔

تیسرا اعتراض:

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کی طرح الفاظ و معانی دونوں ہی من جانب اللہ ہیں تو اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت جائز ہونا چاہیے، جبکہ فقہاء کا اتفاق ہے کہ حدیثِ قدسی کے ذریعے عبادت جائز نہیں ہے، بلکہ اس کے پڑھنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔

ان اعتراضات کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ حدیثِ عام کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں البتہ معانی کبھی وحی کے ذریعہ من جانب اللہ ہوتے ہیں اور کبھی آپؐ کے اجتہاد پر مبنی ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو قرآن مجید کی تبیین و تفسیر کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اور حدیثِ قدسی کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور اس کے معانی و مطالب من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ اور قرآن مجید تو اس کے الفاظ و معانی و مطالب دونوں ہی من جانب اللہ ہوتے ہیں۔ بس اتنی بات ضرور ہے کہ حدیثِ قدسی کے مضامین عام طور سے عقیدے یا عقیدے سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔

■❖■

خبر

خبر کی جمع اخبار ہے۔ خبر عربی میں ''نبأ'' کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس کے تین مفہوم مراد لیے جاتے ہیں:

(۱) محدثین خبر کو حدیث کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

(۲) آپ ﷺ کے علاوہ حضرات سے منقول کو خبر کہا جاتا ہے۔

(۳) عمومی معنی کے طور پر بھی اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے، یعنی جو آپ ﷺ سے منقول ہو یا کسی غیر سے منقول ہو، سب ہی کو خبر کہہ دیتے ہیں۔ (تیسیر، معجم اصطلاحات حدیث)

أثر

لغوی معنیٰ:

أثر اور إثر میں فرق ہے۔ "إثر" بعد کا معنی دیتا ہے۔ جبکہ "أثر" کا لغوی معنی ہے "بقية الشيئ وعلاماته" اس کی جمع "آثار" ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:

أثر کے اصطلاحی معنی کے سلسلے میں دو رجحان ہیں:

پہلا رجحان: پہلا رجحان یہ کہ أثر حدیث کے مترادف ہے۔ یعنی وہ تمام امور جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوں أثر کہلاتے ہیں۔ اور امام نوویؒ فرماتے ہیں: "محدثین کے یہاں حدیث مرفوع یا حدیثِ موقوف کو أثر کہا جاتا ہے۔"

دوسرا رجحان: دوسرا رجحان یہ ہے کہ صحابیؓ سے جو اقوال منقول ہوں انھیں اثر کہا جاتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جو شخص آثارِ صحابہؓ کے علم میں مشغول رہتا ہے اسے اثری کہا جاتا ہے۔ مگر یہ رائے ضعیف ہے اسے صیغہ تمریض یعنی "قِيلَ" کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

سنّت اور اس کا اسلامی شریعت میں مقام

اسلامی قانون کے اندر کتاب اللہ کے بعد سنّت کا مرتبہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

تـركـتُ فيكم ما إن تمسَّكتُم به لن تضلُّوا من بعدى، كتاب الله وسنَّتي. (رواه مالك وغيره، وأخرجه البيهقي عن أبى هريرةؓ)

''میں تمھارے درمیان اللہ کی کتاب اور اپنا طریقہ چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑا تو میرے بعد ہرگز راہِ راست سے نہیں بھٹکو گے۔''

اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں اور اس کی تخریج امام مالکؒ نے کی ہے۔ یہ حدیث بڑے واضح انداز میں یہ بتا رہی ہے کہ کتاب اللہ کے بعد دوسرے نمبر پر سنّت کا مرتبہ ہے۔ اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی یہی سمجھتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ جیسے برگزیدہ صحابی جن کو آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں فتوٰی دینے کی اجازت دی تھی اور فرمایا تھا کہ یہ حلال وحرام کو سب سے زیادہ سمجھنے والے ہیں۔ ان کا واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ اُن کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو سوال کیا تھا کہ معاذ کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا: ''کتاب اللہ میں تلاش کروں گا۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''اگر نہ ملا تو؟'' فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تلاش کروں گا۔'' آپؐ نے پوچھا: ''اگر اس میں بھی نہ ملا تو؟'' فرمایا: ''میں اجتہاد کروں گا اور کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔'' تو نبی کریم ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

الحمدلله الذی وفّق رسولَ رسولِ الله لما يُرضى

رسول اللّٰہ۔ (مسند احمد، سنن ابو داؤد، سنن ترمذی)

''تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق مرحمت فرمادی جو اللہ کے رسول کو خوش کردے۔''

اور اس طرح آپ ﷺ نے سنّت کے دوسرے مرتبہ پر فائز ہونے کی تائید بھی کردی۔

قرآنی دلائل:

قرآنِ کریم کی بے شمار آیات میں سنّت کی اتباع کی تعلیم دی گئی ہے اور اسے فرض قرار دیا گیا ہے۔ اور ایسی آیات بھی موجود ہیں جو سنّت کے دوسرے مرتبے پر فائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وأطيعوا اللّٰـه وأطيعوا الرسولَ واحذروا فإن تولّيتم فاعلموا أنّما على رسولنا البلٰغ المبين۔ (المائدة: ۹۲)

''اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو، اگر اعراض کروگے تو یہ جان رکھو کہ ہمارے رسول کے ذمے صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے۔''

وقال تعالىٰ: "يـٰأيها الذين اٰمنوا أطيعوا اللّٰه وأطيعوا الرسولَ وأولي الأمرِ منكم فإن تنازعتم في شيئ فردّوه إلى اللّٰه وإلى الرسول إن كنتم تؤمنون باللّٰه و باليوم والآخر، ذلك خير و أحسن تاويلا۔" (النساء: ۵۹)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔''

وقال تعالىٰ: "من يطع الرسول فقد اطاع اللّٰه ومن تولى

فما ارسلناك عليهم حفيظا" (النساء: ۸۰)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اس رسولؐ کی جو اطاعت کرے اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی اور جو منہ پھیر لے تو ہم نے آپ کو کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

وقال تعالیٰ: "وما آتاكم الرسولُ فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا واتّقوا الله إن اللّٰه شديد العقاب۔" (الحشر: ۷)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور تمہیں جو کچھ رسول دے لے لو اور جس سے روکے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔''

وقال تعالیٰ: "لقد كانَ لكم فی رسولِ اللّٰه أسوة حسنة لمن كانَ يرجوا اللّٰه واليومَ الآخرَ وذكرَ اللّٰه كثيراً۔

(الاحزاب: ۲۱)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کی یاد کرتا ہے۔''

اس کے علاوہ بھی بے شمار مقامات پر انتہائی سخت اور بعض مقامات پر دھمکی آمیز لہجے میں قرآن وسنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

قال تعالیٰ: "ومن يعصِ اللّٰهَ والرسولَ فله نارُ جهنَّم خالدين فيها أبداً۔" (الجن: ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اب جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی نہ مانے گا اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، جس میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے۔''

وقال تعالیٰ: "فلا وربّك لا يؤمنونَ حتّٰى يحكّموكَ فيما شَجَرَ بينهم ثمَّ لا يجدوا فی أنفسهم حرجاً ممّا قضيت ويسلموا تسليماً۔" (النساء: ۶۵)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے

جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔"

وقال تعالى: "وما كان لمؤمنٍ ولا مؤمنةٍ إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكونَ لَهُم الخيرةُ من أمرهم، ومن يعصِ الله ورسولَهُ فقد ضلَّ ضلالًا مبيناً" (الاحزاب:۳۶)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اور دیکھو کسی مومن مرد اور عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، یاد رکھو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔"

وقال تعالیٰ: "فليحذر الذينَ يخالفون عن أمرهِ أن تُصيبهم فتنة أو يصيبهم عذابٌ أليم." (النور: ۶۳)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "سنو جو لوگ حکم رسول کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔"

اسی طرح بعض احادیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے انتہائی سخت لہجے میں سنت کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"قریب ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر ٹیک لگائے بیٹھا ہوگا کہے گا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف کتاب اللہ ہے۔ چنانچہ جو کچھ اس میں ہم نے حلال پایا ہم اسے حلال سمجھیں گے اور جو کچھ اس میں حرام ہوگا اس کو حرام سمجھیں گے۔ آگاہ ہو جاؤ رسول اللہ ﷺ کی حرام کردہ چیزیں اسی طرح حرام ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں۔"

(رواہ ابوداؤد والترمذی عن المقدام بن معدیکرب)

اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ

آپؐ نے فرمایا:

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی۔'' (بخاری و مسلم)

اور اللہ کے رسول ﷺ کی آخری بڑی بلیغ وصیت ہے، جس میں آپؐ نے سنّت کی پیروی کا بڑا تاکیدی حکم فرمایا ہے:

أوصيكم بتقوى الله والسمعِ والطاعةِ وإن تأمّرَ عليكم عبدٌ، وإنه مَن يَعِش منكم فسيرى اختلافاً كثيراً، فعليكم بسنّتي وسنّةِ الخلفاء الراشدين المهديّينَ، عضّوا عليها بالنواجذِ وإيّاكم ومحدثاتِ الأمور فإنَّ كل محدثة بدعة وكلَّ بدعةٍ ضلالةٌ وكل ضلالة في النار. (سنن ابی داؤد، والترمذی)

میں تم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پاس ولحاظ اور سمع و طاعت کی تاکید کرتا ہوں اگرچہ تم پر کوئی غلام امیر ہو اور تم لوگوں میں سے جو بھی زندہ رہے گا تو وہ بہت اختلاف دیکھے گا چنانچہ تم لوگ میرے طریقے اور میرے ہدایت یاب جانشینوں کے طریقے کو لازم پکڑنا، اور اس کو مضبوط پکڑنا اور دیکھو نئے معاملات سے بہت دور رہنا کیوں کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم تک لے جانے والی ہے۔''

ان تمام روایات اور آیات کی روشنی میں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر زمانے میں اور ہر جگہ امتِ مسلمہ کے لیے قرآن کے ساتھ ساتھ سنّت کو اپنانا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ بے شمار احکام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی تفصیلات قرآن میں موجود نہیں ہیں۔ ان کا علم ہمیں صرف سنّت کے ذریعے ہی ہوسکتا ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ بہت سے ایسے واقعات جو آپ ﷺ کے شایانِ شان نہ تھے آپؐ کی سیرت اور دین کو مکمل کرنے کے لیے

دوسروں سے کرائے گئے اور آپؐ نے ان پر حدود نافذ کیں۔ ان ساری باتوں کا علم بھی ہمیں سنّت کے ذریعہ ہوتا ہے۔ سنّتِ رسول ﷺ کو چھوڑ کر ہم دین کے ایک بہت بڑے حصے سے محروم ہو جائیں گے۔

قرآن مجید اور انسان کی عام زندگی سے سنت کا تعلق

اسلامی قانون کے اندر سنّت کا دو چیزوں سے بڑا گہرا تعلق ہے:

(۱) قرآنِ مجید (۲) انسان کی عام زندگی

سنت کا تعلق قرآن سے:

درج ذیل اعتبارات سے سنّت کا قرآن مجید سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

(۱) سنّت کتاب اللہ کے موافق ہوا کرتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت:

وکذلك أخذ ربك إذا اخذ القریٰ وهی ظالمة إنّ اخذه أليم شديد۔ (هود: ۱۰۲)

''تیرے پروردگار کی پکڑ کا یہی طریقہ ہے جب کہ وہ بستیوں کے رہنے والے ظالموں کو پکڑتا ہے بیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی اور نہایت سخت ہے۔''

اور اسی سے ملتی جلتی حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت:

قال رسول الله ﷺ إنّ الله یملی للظالم فإذا أخذه لم یفلته۔ (أخرجه مسلم عن ابی موسیٰ)

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتے ہیں چنانچہ جب اس کی پکڑ کرتے ہیں تو نہیں چھوڑتے۔''

(۲) سنّت قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ یعنی قرآن مجید میں جو احکام اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ سنّت ان کی وضاحت اور تفسیر بیان کرتی ہے مثال کے طور پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کا حکم قرآن میں ہے لیکن تفصیلات سنّت میں موجود ہیں۔

(۳) سنّت قرآن مجید کے مطلق کو مقید کرتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

السارق و السارقة فاقطعوا أيديهما۔ (المائدة: ۳۸)

''چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا کرو۔''

اس آیت میں مطلقاً قطعِ ید کا حکم دیا گیا ہے، لیکن کتنے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور کون سا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اس کی تقیید وتحدید سنت میں کی گئی ہے۔

(۴) سنت قرآن مجید کے حکم عام کو خاص کرتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانهم بظلم أولئك لهم الأمن وهم مهتدون۔ (الانعام: ۸۲)

''جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ مخلوط نہیں کرتے، ایسوں ہی کے لیے امن ہے اور وہی راہِ راست پر چل رہے ہیں۔''

اس آیت میں ''ظلم'' عام ہے حدیث نے اس کو خاص کیا کہ یہاں ظلم سے مراد ''شرک'' ہے۔ یہ اس وقت آپ ﷺ نے تحدید فرمائی جس وقت ایک صحابی نے معلوم کیا کہ ہم میں سے کس نے ظلم نہیں کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ظلم نہیں مراد ہے، بلکہ اس سے شرک مراد ہے اور اس سلسلے میں قرآن مجید میں حضرت لقمان کی وصیت سے استدلال کیا:

وإذ قال لقمان لابنه وهو یعظه یا بنیَّ لا تشرك بالله إن الشرك لظلم عظیم۔ (لقمان: ۱۳)

چنانچہ صحابہ کرام خوشی خوشی ایک دوسرے کو خوش خبری دیتے ہوئے واپس ہوئے۔ (رواہ البخاری)

(۵) سنت قرآنِ مجید کے مشکل الفاظ کو واضح کرتی ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

کلوا واشربوا حتّٰی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیطِ الأسود من الفجر۔ (البقرة: ۱۸۷)

''تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے۔''

حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ **الخیط الابیض** سے مراد ''**بیاض النهار**'' اور **الخیط الاسود** سے مراد ''**سواد اللیل**'' ہے۔

(۶) سنت اس حکم کی وضاحت کرتی ہے، جس کے بارے میں قرآنِ مجید خاموش ہو جیسے وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے عورت اور اس کی خالہ اور پھوپھی کو جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور وہ حدیث جس میں رسول اللہ ﷺ نے گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔ پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عورت اور اس کی پھوپھی اور عورت اور اس کی خالہ سے ایک ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (رواہ مسلم)

ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔ (رواہ مسلم)

اسی طرح آپ ﷺ نے درندے اور شکاری پرندے کے گوشت کو حرام قرار دیا اور مرد کے لیے ریشم پہننا اور سونے کی انگوٹھی حرام قرار دیا۔

سنت کا تعلق انسان کی عام زندگی سے

سنّت کا انسان کی عام زندگی سے تعلق اس طرح ہے کہ آپ ﷺ قرآن کے جن احکام کی وضاحت بیان فرماتے تھے اُن احکام سے فائدہ اٹھا کر انسان اپنی دین و دنیا سنوار سکتا ہے۔ آج ہمارے پاس قرآن تو ہے (لیکن اس کے عملی نمونے، نبی کریمؐ کی حیاتِ طیبہ کو ہم اپنے لیے مشعل راہ نہیں بناتے)۔ اسی لیے انسانی زندگی میں اس کا جو فیض ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہو رہا ہے۔

■❖■

سنّت کی تدوین

منکرینِ حدیث سنت کی تدوین سے متعلق یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ کام آپ ﷺ کی وفات کے دو سو سال بعد کیا گیا اور تب تک روایات سینہ بسینہ منتقل ہوتی رہیں اس لیے اس میں غلطی کا امکان ہے۔

اس کے برعکس تدوینِ سنت کی تاریخ کا مطالعہ ان کے اس اعتراض کو غلط ثابت کرتا ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں کردیتا ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی تدوینِ سنت کا اہتمام بھی شروع ہو چکا تھا اور عہدِ نبوی سے لیکر آج تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہو۔

تدوین سنت کی تاریخ:

اسلام کے ابتدائی دور میں جب قرآن مجید آپؐ پر نازل ہوا اور آپ نے دعوت کا کام کرنا شروع کیا تو اپنی پوری توجہ قرآن مجید کی حفاظت کی طرف مرکوز کردی، بے شمار صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید کو ہڈی اور چمڑے کے ٹکڑوں پر لکھنا اور یاد کرنا شروع کردیا کیونکہ آپ ﷺ نے یہی تعلیم دی تھی کہ قرآن مجید کو لکھ کر محفوظ کرلیا جائے چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کو محفوظ بھی کیا اور آپؐ ہی کی نگرانی میں آپؐ ہی کی تعلیمات کے مطابق مرتب بھی کرلیا تھا کمی صرف اتنی تھی کہ ابھی اس کو کتابی شکل نہ دی گئی تھی۔

قرآن کی جمع وترتیب کا واقعہ:

قرآن کریم کو یکجا کر کے کتابی شکل دینے کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دور میں پیش آیا، جبکہ جنگِ یمامہ میں ایک ہی دن میں بہت سارے حفاظ شہید ہوگئے اور حفاظ قرآن کی شہادت کی وجہ سے قرآن کا کثیر حصہ ضائع ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

أنّ زيد بن ثابتٍ قال: أرسل إلى أبوبكر مقتلَ أهلِ اليمامة فإذا عمرُ بن الخطاب عنده، فقال ابوبكر: "إنَّ عمر أتانا فقال: إنّ القتلَ قد استحرَّ يومَ اليمامةِ بقرّاءِ القرآنِ وإنّى أخشى أن يستحرَّ القتلُ بالقرّاء بالمواطنِ فيذهبُ كثير من القرآنِ وإنى أرى أن تجمعَ القرآن، قلتُ لعمر: كيف نفعل شيئاً لم يفعله رسولُ الله ﷺ؟ قال عمر: هذا والله خير. فلم يزل يراجعنى حتّى شرح الله صدرى لذلك ورأيتُ فى ذلك الذى رأى عمر."

قال زيدٌ: قالَ أبوبكر: "إنّك رجلٌ شابٌّ عاقلٌ لانتّهمُكَ، وقد كنتَ تكتب الوحيَ لرسولِ الله ﷺ فتَتَّبعِ القرآنَ فأجمعه "فوالله لوكلّفونى نقلَ جبلٍ من الجبالِ ما كان أثقلَ علىَّ ممّا أمرونى به من جمع القرآنِ. قلتُ: كيفَ تفعلونَ شيئاً لم يفعلُه رسولُ الله ﷺ؟ قال عمر: "هذا واللّهِ خيرٌ" فلم يزل يراجعنى حتّى شرحَ الله صدرى للذى شرح له صدرَ أبى بكرٍ و عمرَ. فتتبّعتُ القرآنَ أجمعهُ منَ العُسُبِ واللِّخافِ وصدورِ الرجال (١) حتّى وجدتُ آخرَ سورةِ التوبة مع خزيمة (٢) الأنصارى لم أجدها مع أحدٍ غيره (لقد جاء كم رسولٌ من أنفسكم) حتّى خاتمة براءة.

''حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مجھے اہلِ یمامہ کے مقتل میں بلوایا۔ میں نے دیکھا کہ عمر بن خطاب بھی وہیں موجود ہیں۔ تو ابوبکر

---

(١) العسب (جمع عسیب) کھجور کی ٹہنی (أی جريدة النخل)، واللخاف (جمع لخفة) سفید پتلا پتھر۔

(٢) صحيح البخارى كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن

صدیقؓ نے فرمایا کہ: ''عمر ہمارے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرّاءِ قرآن جنگ یمامہ میں کثرت سے شہید ہوئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ اگر قرّاءِ قرآن اسی طرح مختلف مقامات پر کثرت سے قتل ہوتے رہے تو قرآن کا اکثر حصہ ضائع ہوجائے گا۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کریں۔'' میں نے عمر سے کہا کہ ہم وہ کام کیسے کرسکتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے نہ کیا؟ تو عمر نے جواب دیا: ''بخدا یہی بہتر ہے۔'' پھر وہ مسلسل میرے پاس آتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے دل کو کشادہ کردیا اور اس سلسلے میں میں عمر کی رائے سے متفق ہوگیا۔''

حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکرؓ نے فرمایا: ''آپ ایک ایسے نوجوان عقلمند آدمی ہیں کہ ہم آپ کو متہم نہیں کرسکتے۔ اور آپ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی وحی لکھا کرتے تھے تو قرآن کی تلاش وجستجو کے بعد اس کو جمع کرلیجیے۔'' اللہ کی قسم قرآن کو جمع کرنے کا جو حکم انھوں نے مجھے دیا تھا اس کے مقابلہ میں اگر وہ کسی پہاڑ کو منتقل کرنے کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ڈال دیتے تو بھی میرے لیے اس قدر بوجھل نہ ہوتا، میں نے کہا آپ لوگ وہ کام کیسے کررہے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں کیا؟ تو عمرؓ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم یہی بہتر ہے۔'' تو مسلسل وہ میرے پاس آتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرے سینے کو کشادہ کردیا جس کام کے لیے اس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کے سینے کو کشادہ کیا تھا۔ پھر میں نے کھجور کے پتوں، پتلے سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو تلاش کرکے جمع کیا حتیٰ کہ میں نے سورۂ توبہ کا آخری حصہ خزیمہ انصاریؓ کے پاس پایا۔ "لقد جاء کم رسول من انفسکم" سے لے کر "براءۃ" کے خاتمہ تک ان کے سوا کسی کے پاس نہ پایا۔''

قریش کے لہجے کے مطابق قراءت پر پابند کرنا:

قرآن کی جمع وترتیب کے سلسلے میں صحابۂ کرام کے ہاتھوں سے لکھے ہوئے جو جو نسخے

مختلف مقامات سے منگوائے گئے تھے وہ پہلے خلیفۂ راشد ابوبکرؓ کے پاس اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی تحویل میں آ گئے اور ان کی وفات کے بعد ان کی بیٹی حضرت حفصہ بنت عمرؓ کے پاس منتقل ہو گئے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے:

فكانت الصحف عند أبي بكرٍ حتىّٰ توفّاه الله، ثمَّ عند عمر حياته، ثم عند حفصةَ بنتِ عمرَ رضى الله عنها.

(صحيح البخارى كتاب فضائل القرآن ،باب جمع القرآن)

پھر حضرت عثمانؓ کے دور میں جب سلطنت کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا اور لہجوں کا توسع برقرار رہنے پر کتاب اللہ میں اختلاف کا اندیشہ پیدا ہو گیا تو حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس خطرے سے آگاہ کیا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے:

حدّثنا ابن شهابٍ: أنَّ أنس بن مالكٍ حدَّثَهُ: أنَّ حذيفة بن اليمان قدِمَ على عثمان. وكان يغازى أهل الشامِ فى فتح إرمينية وأذر بيجان مع أهل العراقِ فأفزع حذيفة اختلافهم فى القراءة، فقال حذيفة لعثمان: ياامير المؤمنين، أدرك هذه الأمة قبل ان يختلفوا فى الكتاب اختلاف اليهود والنصارى، فأرسل عثمان إلى حفصةَ أن أرسلى إلينا بالصحفِ ننسخها فى المصاحفِ ثمَّ نردُّها إليكِ، فأرسلتْ بها حفصةُ إلى عثمان، فأمرَ زيدَ بنَ ثابتٍ وعبدالله بن الزبير و سعيد بن العاصِ وعبدَ الرحمنِ بنَ الحارثِ بنِ هشامٍ، فنسخوها فى المصاحفِ، وقال عثمان للرهطِ القرشيينَ الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيدُ بنُ ثابتٍ فى شيئ من القرآنِ فاكتبوه بلسانِ قريشٍ فإنما نزل بلسانهم، ففعلوا حتّٰى إذا نسخوا الصحفَ فى المصاحفِ ردَّ عثمانُ الصحفَ إلى حفصةَ فأرسلَ إلى كلِّ

أفقٍ بمصحفٍ ممّا نسخوا، وأمر بما سواه من القرآنِ فی كلِّ صحيفةٍ أو مصحفٍ أن يحرَق۔

(صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمعِ القرآن)

''ابنِ شہاب نے ہم سے بیان کیا کہ انس بن مالکؓ نے ان سے بیان کیا کہ حذیفہ بن الیمانؓ حضرت عثمانؓ کے پاس تشریف لائے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ وہ اہلِ عراق کے ساتھ ارمینیہ اور آذربیجان کی فتح میں اہلِ شام سے جنگ کر رہے تھے۔ تو حذیفہؓ کو قرأت میں لوگوں کے اختلاف نے خوف زدہ کردیا۔ تو حذیفہؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا: ''اے امیر المؤمنین! یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اس امت کے اختلاف سے پہلے اس کو بچا لیجیے۔ تو حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کو یہ پیغام بھیجا کہ صحیفہ ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اوراق میں اس کو لکھ لیں۔ پھر ہم آپ کو واپس لوٹا دیں گے، تو حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیے۔ تو حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن عاصؓ اور عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام کو حکم دیا تو انھوں نے صحیفوں میں اس کو حرف بحرف لکھ دیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے ان تینوں قریشیوں کی جماعت سے یہ فرمایا کہ جب قرآن میں کہیں تمہارا اور زید بن ثابت کا اختلاف ہوجائے تو اسے قریش کی زبان میں تحریر کرلینا کیونکہ قرآن انھیں کی زبان میں نازل ہوا ہے تو انھوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ صحیفوں کو ایک کتاب میں منتقل کردیا تو عثمانؓ نے صحیفہ حضرت حفصہؓ کو لوٹا دیا اور ہر مرکزِ اسلامی میں تیار کیا ہوا ایک نسخہ بھیج دیا اور اس کے سوا ہر ورق اور ہر کتاب میں موجود قرآن کو جلا دینے کا حکم صادر کردیا۔''

■❖■

تدوینِ سنّت کے مراحل

سنّت تدوین کے دور میں مختلف مراحل سے گزری ہے اور یہ اسلامی دعوت کے حالات کا تقاضا بھی تھا اور آپ ﷺ کی تعلیمات بھی تھیں۔

پہلا دور

دعوت کے آغاز میں نبی کریم ﷺ نے سنّت کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا، اس کی مختلف اہم وجوہات ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ تھی کہ ابتدائی دور میں احادیث کو لکھنے سے قرآن اور حدیث میں خلط ملط ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ لکھنے پڑھنے کا سامان زیادہ نہ تھا اور ایک ہی جگہ پر دونوں چیزیں لکھ دیں جاتیں تو قرآن اور سنت میں اشتباہ ہوجاتا۔

(۲) دوسرا اندیشہ قرآن وسنّت میں تبدیلی کا تھا یعنی قرآن کو حدیث سے اور حدیث کو قرآن سے بدل دیا جاتا اور ایسا کرنا صحیح نہ ہوتا۔

(۳) تیسری وجہ یہ تھی کہ آپ ﷺ کی یہ خواہش تھی کہ صحابہ کرامؓ ذہنی طور پر صرف کتاب اللہ کے لیے فارغ ہوں اور ان کی پوری توجہ اس کو سمجھنے، لکھنے پڑھنے اور یاد کرنے پر مرکوز ہو۔

(۴) اس دور میں مسلمانوں میں لکھے پڑھے افراد کم تھے اور عرب زمانۂ جاہلیت سے ہی یاد کرنے کے عادی تھے جس کی وجہ سے صحابہ کرام کو کتاب اللہ کو لکھنے اور سنّت کو یاد کرنے کے کام میں لگایا گیا۔

(۵) عربوں کے اپنے حافظے پر یاد کرنے کے سلسلے میں اعتماد کو دیکھتے ہوئے رسول اللہ

ﷺ نے ان پر سنت کو یاد کرنے کی ذمہ داری ڈالی تھی تو یہ ذمہ داری بھی کوئی معمولی ذمہ داری نہیں تھی، اسی لیے نبی ﷺ نے ازراہِ شفقت اور تخفیف کے طور پر ابتدائی دور میں قرآن مجید ہی کے لکھنے کا مکلّف بنایا تھا۔

(٦) آپ ﷺ کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ کہیں لوگ قانون کے بنیادی ماخذ قرآن کو چھوڑ کر حدیث میں مشغول نہ ہو جائیں۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے دعوت کے ابتدائی دور میں فرمایا تھا کہ:

لا تکتبوا عنّی شیئا إلّا القرآن ومن کتبَ عنی غیر القرآنِ فلیمحه۔ (سنن الدارمی، ج:۱، ص:۹۸)

''قرآن مجید کے علاوہ میری کسی بات کو تحریر نہ کرو اور جس کسی نے میری قرآن مجید کے علاوہ کوئی بات لکھ لی ہو اس کو مٹا دے۔''

یہ روایت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے اور امام مسلم نے اپنی کتاب میں اس کو مرفوع نقل کیا ہے۔

البتہ اس دور میں بھی قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث کی جانب بھی صحابہ کرامؓ کی خصوصی توجہ رہی۔ صحابہؓ آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک واقعے کو یاد رکھتے خود بھی اس پر عمل کرتے اور دوسروں تک بھی اسے پہنچاتے۔ ارشاداتِ نبوی کو سننے اور یاد کرنے کا اس درجہ اہتمام تھا کہ بہت سے اصحاب نے دنیا کے سارے تعلقوں کو چھوڑ رکھا تھا اور صرف اسی کام میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

جن صحابہ کرامؓ کو روزمرہ کی خانگی ضرورتوں کی بنا پر اس کا موقع نہ تھا وہ آپس میں باری مقرر کر لیتے تھے اور حاضر ہونے والا ساتھی اپنے غیر حاضر ساتھی کو اس دن کے تمام واقعات سنا دیتا تھا۔ (بخاری کتاب العلم، باب التناوب فی العلم)

دوسرا دور

جب قرآن مجید کا کافی حصہ نازل ہو کر لوگوں کے سینوں اور تحریروں میں محفوظ ہو گیا اور اس کے حفّاظ کی تعداد زیادہ ہو گئی اور یہ سارے خدشات کم ہونے لگے تو آپ ﷺ نے خصوصی طور پر بعض صحابہ کرامؓ کو حدیث لکھنے کی اجازت دی۔ مثال کے طور فتح مکہ کے سال خزاعہ کے کچھ لوگوں نے بنی لیث کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی تو آپ ﷺ نے سواری پر سوار ہو کر ایک خطبہ دیا، جس میں مکّہ کی عظمت و حرمت کا ذکر فرمایا اور لوگوں کو قتل و خونریزی سے باز رہنے کی ہدایت کی۔ ایک یمنی صحابی (ابو شاہ) نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ خطبہ مجھے لکھ دیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور یہ خطبہ لکھوا دیا۔ (بخاری جلد اول، کتاب العلم، باب کتابة العلم)

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خاص طور سے ابوشاہ کا نام لے کر صحابہ کو حکم دیا تھا: ''اکتبوا لأبی شاہٍ'' اور یہ فتحِ مکہ کے سال کی خصوصی اجازت تھی اس کے علاوہ بعض ضروری احکام و ہدایات، معاہدے اور خطوط وغیرہ بھی آپ ﷺ لکھا دیا کرتے تھے۔

تیسرا دور

اس کے بعد جب اسلام پھیلنے لگا تو لوگوں کے دلوں میں قرآن کی اہمیت بیٹھ گئی اور سارے خدشات ختم ہو گئے تو آپ ﷺ نے حدیث کی تدوین کی عام اجازت دے دی اور آپ ﷺ کی عام اجازت کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی یہ مشہور روایت ہے کہ ''میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کے ارادے سے لکھ لیا کرتا تھا، قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے ہو سب لکھ لیتے ہو؟ حالانکہ آپ ﷺ بشر ہیں خوشی میں باتیں کرتے ہیں اور کبھی غصہ کی حالت میں، یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا آپؐ نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا لکھو خدا کی قسم اس سے حق ہی نکلتا ہے۔ (سنن الدارمی، ج:۱، ص۱۰۳)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

قیدوا العلم بالکتاب۔ (سنن الدارمی، ج اول، ص ۱۰۵)

"علم کو قلم بند کرلیا کرو۔"

اس دور میں حدیث کی کتابت وتحریر کا کام آپ ﷺ کی مجلس کا عام دستور بن گیا تھا۔ دارمی کی مشہور روایت ہے کہ ابوقبیل کا بیان ہے کہ انھوں نے عبداللہ سے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد لکھ رہے تھے کہ اتنے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ دونوں شہروں میں سے پہلے کون فتح ہوگا قسطنطنیہ یا رومیہ؟ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ ہرقل کا شہر ہے۔ (سنن الدارمی، ج:۱،ص:۱۰۴)

اس دور میں صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کی اجازت سے نہ صرف احادیث لکھنے کا کام شروع کیا بلکہ باقاعدہ صحیفے تیار کرنے شروع کردیے، بڑے بڑے صحابہ کرامؓ اس دور میں تیار کیے ہوئے گراں قدر صحیفے چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

مشہور صحیفے

۱-صحیفۂ حضرت علی:

امام بخاریؒ کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ کافی ضخیم تھا اس میں زکوٰۃ، حرمتِ مدینہ، خطبۂ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے۔ (تدوین حدیث، ص ۶۱، بحوالہ صحیح البخاری)

۲-صحیفہ صادقہ:

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص (وفات ۶۳ھ بعمر ۷۷رسال) کا مرتب کیا ہوا ہے۔ یہ مجموعہ ایک ہزار سے زائد احادیث پر مشتمل ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند احمدؒ میں یہ صحیفہ مکمل نقل کردیا ہے اور ابن الاثیر نے تذکرہ کیا ہے کہ صحیفہ صادقہ میں ایک ہزار حدیثیں تھیں۔ (اسد الغابۃ، ۲۳۳/۳)

۳-الصحیفۃ الصحیحۃ:

یہ حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور شاگرد ہمام بن منبہ (وفات ۱۰۱ھ) کا تیار کردہ صحیفہ ہے، جس میں انھوں نے ابوہریرہؓ کی روایات کو یکجا قلمبند کردیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی

مسند میں ابوہریرہؓ کے زیرِ عنوان یہ پورا صحیفہ بھی نقل کر دیا ہے اس میں ایک سو اڑتیس (۱۳۸) روایات ہیں اس کے قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں موجود ہیں یہ مجموعہ کچھ عرصے قبل ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کوشش سے طبع ہوکر حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکا ہے۔ (تدوین حدیث تعارف و جائزہ از ابوسحبان روح القدس ندوی)

حضرت ابوہریرہؓ کے دوسرے شاگرد بشیر بن نہیک نے بھی ایک مجموعہ مرتب کیا تھا، جس کی انھوں نے رخصت ہوتے وقت حضرت ابوہریرہؓ سے تصدیق کرالی تھی۔

(حوالہ سابق، بحوالہ جامع بیان العلم)

ان کا بیان ہے:

کنت اکتب ما اسمع من أبی هريرة۔ (دارمی، ص۶۸)

دوسرا مجموعہ حسن بن عمرو بن امیہ الضمری کے پاس موجود تھا۔ (جامع بیان العلم، ص:۸۴)

اس کے علاوہ مسند ابوہریرہ کے نسخے بھی عہدِ صحابہ میں لکھے گئے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی کل روایات کی تعداد ۵۳۷۴ تک پہنچتی ہے۔

۴۔ صحیفۂ سعد بن عبادۃ الانصاری:

حضرت سعد بن عبادہؓ صحابی رسول ﷺ ہیں۔ یہ زمانہ جاہلیت سے ہی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ امام ترمذیؒ نے ان کے صحیفے کا ذکر فرمایا ہے۔

۵۔ رسالۂ سمرہ بن جندبؓ:

یہ ان کو ان کی ماں سے وراثت میں ملا تھا اور پھر سمرہ بن جندبؓ کے بیٹے کو وراثت میں ملا یہ روایات کے ایک بہت بڑے ذخیرے پر مشتمل تھا۔

(تدوین حدیث، ص:۶۲، بحوالہ الوثائق السیاسیۃ، ص۱۰۵، از ڈاکٹر حمید اللہ بحوالہ طبری)

سمرہ بن جندبؓ کی روایتیں بھی ان کی زندگی میں ہی مرتب ہوگئی تھیں۔ یہ مجموعہ عرصہ تک ان کے خاندان میں محفوظ رہا ان کے پوتے حبیب نے اس سے دیکھ کر روایتیں کیں۔

(تدوین حدیث، ص:۵۱)

۶-صحیفۂ عبداللہ بن عباسؓ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایات کے متعدد مجموعے تھے۔ حضرت سعید بن جبیرؒ تابعی بھی ان کی روایات تحریری طور پر مرتب کرتے تھے ان کے شاگردان کے پاس بیٹھ کر حدیثیں لکھتے تھے ان کے پاس متعدد صحیفے جمع ہو گئے تھے جب انکا انتقال ہوا تو انھوں نے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا۔

۷-صحیفۂ عبداللہ بن أبی اوفیؓ:

اس کا تذکرہ صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب الصبر عند القتال میں ہے۔

۸-صحیفۂ ابوموسیٰ اشعریؓ:

(بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، د/ اکرم ضیا العمری ص، ۲۲۳ اور اس کے بعد)

۹-صحیفۂ ابوسلمیٰ الأشجعی الکوفی:

(بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، د/ اکرم ضیا العمری ص، ۲۲۳ اور اس کے بعد)

۱۰-صحیفۂ عبداللہ بن مسعودؓ:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شروع میں کچھ دن تک کتابتِ حدیث کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کی جانب ایسی توجہ کی کہ خود بھی حدیثیں کتابی شکل میں مرتب کیں اور اپنے شاگردوں کو بھی لکھائیں۔ ان کے شاگردان کی روایتیں لکھ لیا کرتے تھے۔ انتقال کے بعد ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا مجموعہ ان کے گھر سے برآمد ہوا۔ ان کے بیٹے عبدالرحمٰن نے قسمیں کھا کھا کر لوگوں سے کہا کہ یہ کتاب خود حضرت عبداللہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ (جامع بیان العلم، ص: ۳۷)

ان کے علاوہ بھی بے شمار صحابہ کرامؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں ہی روایات لکھ کر محفوظ کرنا شروع کر دی تھیں اور اکثر صحابہؓ کے پاس تحریری شکل میں آپ ﷺ کے اقوال کا مجموعہ موجود تھا، جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ تدوینِ حدیث کا کام آپ ﷺ کی زندگی میں پورے اہتمام سے شروع ہو چکا تھا۔

چوتھا دور

چوتھا مرحلہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد کا ہے، جبکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ "الیوم اکملتُ لکم دینکم و أتممتُ علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دیناً" کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے تکمیل دین کا اعلان کردیا۔ قرآن مکمل صحابہ کرام کے سینوں اور صحیفوں میں محفوظ ہوگیا اور آپ ﷺ اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کے کاندھوں پر ڈال کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو صحابہ کرامؓ نے حدیثوں کو جمع کرنے اور صحیح کو غلط سے جدا کرنے کا خصوصی اہتمام کیا اور اس کام کے لیے دور دراز مقامات کے سفر کی مشقتیں برداشت کیں۔

حضرت عبداللہ بن جابرؓ مدینہ منورہ سے ملکِ شام پہنچے۔ حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث لینے کے لیے باقاعدہ اونٹ خریدا، کئی دن کا سفر طے کرکے دروازے پر پہنچے، حدیث سنی اور واپس چلے آئے، نہ کھانا کھایا نہ قیام کیا، صرف اس ڈر سے کہ کہیں ان کا سفر کھوٹا نہ ہوجائے۔ (الجامع الصحیح للبخاری، باب الخروج فی طلب العلم)

عقبہ بن عامر جہنی کے پاس ابوایوب انصاریؓ صرف ایک حدیث سننے کے لیے مصر گئے، کیوں کہ اس حدیث کا راوی ان کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

صرف ایک حدیث سننے کے لیے حضرت علیؓ کے پاس لوگ مختلف مقامات سے کوفہ گئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے پاس لوگ روایات سننے کے لیے دور دراز کا سفر طے کرکے آئے۔

پھر اسی دور میں تابعینؒ نے احادیث کو روایت کرنے کا بڑا اہتمام کیا اور اس کی حفاظت میں اپنی پوری کوشش صرف کردی اور صحابہ کرامؓ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے بڑی باریک بینی سے اس علم کی حفاظت کا انتظام کیا اور اپنے سینوں میں منتقل کرکے محفوظ کرلیا۔ کتابتِ حدیث کا رجحان برابر بڑھتا رہا، یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں کافی تحریری سرمایہ کتابی شکل میں جمع ہوگیا تھا۔ (تدوین حدیث، ص ۳۷، بحوالہ جامع بیان العلم، ص: ۳۲)

اب روز بروز جمع و ترتیب حدیث کے متعلق شکوک و شبہات ختم ہوتے جارہے تھے اور

جو صحابہ پہلے اسے پسند نہیں کرتے تھے، وہ بھی اپنی رائے تبدیل کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ جو کبھی کتابتِ حدیث کے سخت مخالف تھے اور لوگوں کو اس سے روکتے تھے اب اس کے قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل ہو چکے تھے۔ (ترمذی کتاب العلل)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو کبھی تحریری روایات کے اتنے مخالف تھے کہ لکھے ہوئے حروف کو پانی سے دھلوا دیتے تھے اور روایتوں کے مجموعوں کو نذر آتش کر دیا کرتے تھے اب وہ خود اور ان کے شاگرد حدیثوں کے لکھنے لکھانے میں مشغول تھے۔ (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا مکثرین صحابہ میں دوسرا درجہ ہے۔ محدث ابن جوزی نے ان کی موجودہ روایتوں کی تعداد ۲۶۳۰ بتائی ہے۔ شروع میں یہ بھی کتابت حدیث کو پسند نہ کرتے تھے لیکن جب بعد میں اس کی ضرورت محسوس کی تو لکھنے لکھانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کے ممتاز شاگرد نافع ان کے سامنے بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ (۲) مجاہد اور سعید بن جبیرؒ بھی ان کی روایتیں لکھا کرتے تھے اور پوچھ پوچھ کر ان کی تصحیح کرتے تھے۔ (۳) ان کے بیٹے سالم بھی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ (۴) اس کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن عمر خود بھی لکھاتے تھے۔ (۵)

حضرت انسؓ جن کی آج ۲۲۸۶ روایتیں حدیث کی کتابوں میں درج ہیں، ان کی اپنی اولاد کو عام تاکید تھی کہ یا بنی قیدوا ھذا العلم. ''اے پیارے بیٹو! اس علم کو قلمبند کر لیا کرو۔'' ان کے شاگرد ابان ان کے پاس بیٹھ کر تختی پر لکھا کرتے تھے۔ (۶)

حضرت جابرؓ کی مرویات کی تعداد ۱۵۴۰ ہے (۷) ان کے شاگردوں کا بیان ہے کہ ''کنا نأتی جابر بن عبداللہ فنسأله عن سنن رسول الله ﷺ فنکتبھا'' (۸) ہم

---

(۱) تدوین حدیث، ص: ۳۸، بحوالہ جامع بیان العلم

(۲) ایضاً، ص: ۴۳، بحوالہ سنن الدارمی، ص: ۲۶

(۳) ایضاً، جامع بیان العلم، ص: ۳۳ (۴) ایضاً، دارمی، ص: ۲۶

(۵) ایضاً، بحوالہ خطبات بحوالہ مسند احمد، ج ۲، ص ۱۹۹

(۶) ایضاً، دارمی، ص ۶۸

(۷) ایضاً، ص: ۴۴، بحوالہ تلقیح فهوم أهل الأثر لابن جوزی

(۸) ایضاً، طحاوی جلد: ۲، ص: ۳۸۴

لوگ جابر بن عبداللہؓ کے پاس آتے تھے، ان سے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے بارے میں دریافت کرتے اور اس کو قلمبند کرلیا کرتے۔

یہ روایتیں خود ان کی زندگی میں متعدد نسخوں میں جمع ہوگئی تھیں۔ ان میں سے تین صحیفوں کا ذکر رجال کی کتابوں میں موجود ہے، ایک مجموعہ اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا۔ (۱) دوسرا سلیمان یشکری کے پاس تھا۔ (۲) ایک مجموعہ خود ان کے پاس بھی تھا۔

حضرت عائشہؓ کی مرویات کی تعداد محدث ابن جوزی نے ۲۲۱۰ بتائی ہے، یہ روایات حضرت عروہؓ اور حضرت عمرہؓ کے ذریعے اس زمانے میں کتابی شکل میں مرتب ہوگئی تھیں۔ قبیصہ ابن ذویب کا بیان ہے کہ "كانت عائشة رضى الله عنها أعلم الناسِ يسألها أكابر الصحابة." (۳) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والی تھیں بڑے بڑے صحابہ کرام ان سے معلوم کرتے تھے۔

حضرت عروہ کتابتِ حدیث کے قائل تھے خود بھی لکھتے تھے اور اپنے بیٹے ہشام کو بھی لکھایا کرتے تھے۔ (۴) حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے ان کے گورنر اور مدینہ منورہ کے قاضی ابوبکر بن حزام نے قلمبند کیں۔ (۵) مشہور تابعی ابوقلابہ کے ذریعے سے بھی حضرت عائشہؓ کی مرویات قلم بند ہوئیں یہ کتابتِ حدیث کو بہت ضروری سمجھتے تھے۔ انتقال کے بعد ان کی کتابیں ایک جانور کے بوجھ کے برابر ابوایوب سختیانی کو ملیں۔ (۶)

حضرت ابوسعید خدریؓ کا شمار بھی مکثرین صحابہ میں ہوتا ہے، ان کی مرویات کی تعداد ۱۱۷۰ ہے۔ یہ کتابتِ حدیث پسند نہ کرتے تھے۔ تاہم ان کے شاگردوں میں حضرتِ نافع کے

---

(۱) تدوین حدیث، ص: ۴۴، تهذیب جلد ۲، ص ۳۰۶

(۲) ایضاً، تهذیب جلد ۲، ص: ۲۱۱

(۳) ایضاً، ص: ۴۵، تذکرة الحفاظ جلد اول، ص ۲۴

(۴) ایضاً، جامع بیان العلم، ص ۳۷

(۵) ایضاً، بحواله جامع بیان العلم، ص ۳۶

(۶) ایضاً، ص: ۴۶، تذکرة الحفاظ جلد اول، ص ۸۲

ذریعے ان کی روایات احاطۂ تحریر میں آگئیں۔ حضرتِ نافع کتابتِ تحریر کے قائل تھے اور ان کی مرویات ان کے سامنے لکھی جاتی تھیں۔ (۱) حضرت ابوسعید خدریؓ کی تمام مرویات عہدِ صحابہ ہی میں تحریری شکل میں جمع ہوگئی تھیں۔

حضرت زید بن ثابت انصاریؓ کی مرویات ان کے شاگرد مروان اور عروہ بن زبیرؓ کے ذریعہ محفوظ کی گئیں۔ حضرت زیدؓ بھی کتابتِ حدیث کو پسند نہیں فرماتے تھے اس لیے مروان نے پس پردہ ان کی روایات کو قلمبند کرایا۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کے خادم ابورافع کی روایتیں عبداللہ بن عباسؓ نے جمع کرلی تھیں۔ (۳) حضرت حسن بن علیؓ کو بھی اس کام سے خاص دلچسپی تھی، وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کو نصیحت کیا کرتے تھے کہ ''تعلّموا العلمَ فانّكم إن تكونوا صغار قومٍ تكونوا كبارهم غداً، فمن لم يحفظ فليكتب.'' (۴) ''علم سیکھو بیشک تم لوگ اگر آج چھوٹے ہو تو کل کو بڑے ہو جاؤ گے چنانچہ جو یاد نہ کرسکتا ہو وہ لکھ لے۔''

حضرت معاویہؓ، حضرت ثوبانؓ اور حضرت ابوامامہ کی مرویات ان کے شاگرد خالد بن معدان کے ذریعے تحریری شکل میں مرتب ہوئیں۔ خالد بن معدان نے ستر صحابہ سے ملاقات کی تھی، تحریر و تدوین کی جانب اس قدر توجہ تھی کہ ان کے پاس بھی اچھی خاصی باقاعدہ کتاب مرتب ہوگئی تھی۔ (۵)

سعید بن مسیبؒ تابعی عہدِ فاروقی کے دوسرے سال مدینہ میں پیدا ہوئے ان کی وفات ۱۰۵ھ میں ہوئی انھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے علم حدیث حاصل کیا۔

سالم بن عبداللہ بن عمرؒ تابعی مدینہ کے سات فقہاء میں شمار ہوتے ہیں انھوں نے اپنے

---

(۱) تدوین حدیث، ص: ۴۶، دارمی، ص ۱۹

(۲) ایضاً، ص: ۵۱، بحوالہ دارمی، ص: ۶۶

(۳) ایضاً، بحوالہ خطبات مدراس بحوالہ طبقات ابن سعد ج۲، قسم ۲، ص ۱۲۳

(۴) ایضاً، ص: ۵۲، بحوالہ جامع بیان العلم، ص: ۴۰

(۵) ایضاً، ص: ۵۳، بحوالہ تذکرہ، ص ۸۱، جلداول، تہذیب ج:۳، ص: ۱۱۹

والد عبداللہ بن عمرؓ اور دوسرے صحابہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ ۱۰۶ھ میں وفات پائی۔

نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر تابعی بھی عبداللہ بن عمرؓ کے خاص شاگرد اور امام مالکؒ کے استاد ہیں۔ ۱۱۷ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ (۱)

غرض یہ تمام واقعات اس بات کی دلیل ہیں کہ تابعینؒ، صحابہ کرامؓ کے اس دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے پوری محنت و جانفشانی اور بڑی باریک بینی کے ساتھ اس علم کو اپنے سینوں میں سفینوں میں منتقل کرلیا تھا سب سے آخری صحابی انس بن مالکؓ ہیں۔ ۹۳ھ میں ۱۰۳ سال کی عمر میں انھوں نے وفات پائی۔ (۲) اس وقت تک علم حدیث کا پورا ذخیرہ بے شمار بڑے بڑے اور مستقل کتابی مجموعوں میں منتقل ہو چکا تھا۔

پانچواں دور

ہجرت کے سو سال بعد جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انھوں نے ۱۰۱ھ میں احادیث جمع کرنے کا حکم صادر کردیا اس کے علاوہ مدینہ کے گورنر ابوبکر محمد بن عمرو بن حزام کو ہدایت بھیجی کہ عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے پاس احادیث کا جو ذخیرہ ہے اسے قلمبند کرلیں۔

عمرہؒ حضرت عائشہؓ کی خاص شاگردوں میں سے ہیں اور قاسم بن محمد ان کے برادر زادے ہیں، حضرت عائشہؓ نے اپنی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا تھا۔ (۳)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسلامی مملکت کے تمام ذمہ داروں کو ذخائر حدیث کے جمع و تدوین کرنے کا تاکیدی فرمان جاری کردیا تھا۔ جس کے نتیجے میں احادیث کے دفتر کے دفتر دارالخلافہ دمشق پہنچ گئے۔ خلیفۂ وقت نے ان کی نقلیں مملکت کے گوشے گوشے میں پھیلا دیں۔ (۴)

---

(۱) تدوین حدیث، ص: ۵۹

(۲) ایضاً، ص: ۵۸

(۳) ایضاً، ص: ۶۴، بحوالہ تهذيب التهذيب ابن حجر ج ۷، ص: ۱۷۲

(۴) ایضاً، تذکرة الحفاظ، ج ۱، ص: ۱۰۶، مختصر جامع بیان العلم، ص: ۳۸

خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم پر سب سے پہلے محمد بن شہاب زہریؒ نے مجموعۂ حدیث مدون کیا۔ ابنِ شہاب زہری اپنے زمانے کے ممتاز محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے صحابہ میں سے عبداللہ ابن عمرؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ سے اور تابعین میں سعید بن میبّؒ اور محمود بن ربیعؒ وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ امام اوزاعیؒ، امام مالکؒ اور سفیان بن عینیہؒ جیسے ائمہ حدیث کا شمار آپ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

ابنِ شہاب کو دو ہزار دو سو احادیث یاد تھیں وہ خود فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے میں نے اس علم کو مدوّن کیا مجھ سے پہلے کسی نے نہ کیا۔

ابنِ شہاب زہریؒ کے مجموعہ حدیث مرتب کرنے کے بعد اس دور کے دوسرے اہلِ علم نے بھی تدوین وتالیف کا کام شروع کر دیا۔

عبدالملک بن جریجؒ (وفات ۱۵۰ھ) نے مکہ میں، امام مالکؒ بن انس (وفات ۱۷۹ھ) نے مدینہ میں، امام اوزاعیؒ (وفات ۱۵۷ھ) نے شام میں، معمر بن راشدؒ (وفات ۱۵۳ھ) نے یمن میں، امام سفیان ثوریؒ (وفات ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں، امام حمادؒ بن سلمہ (وفات ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں اور امام عبداللہ بن المبارکؒ (وفات ۱۸۱ھ) نے خراسان میں احادیث کی جمع وتدوین کے کام میں سبقت کا شرف حاصل کیا۔ (تدوینِ حدیث، ص:۶۴-۶۵)

ان لوگوں نے جو کتابیں تحریر کیں ان میں نبی ﷺ کی احادیث، صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتوے بھی شامل ہیں۔ تقریباً دو سو سال تک یہی معاملہ رہا۔

چھٹا دور

یہ دور تقریباً دوسری صدی ہجری کے نصف آخر سے چوتھی صدی ہجری کے خاتمے تک پھیلا ہوا ہے۔

اس دور میں احادیثِ نبوی، آثار صحابہ اور اقوالِ تابعین کو الگ الگ کر کے مرتب کیا گیا۔ قابلِ اعتماد روایات کے مجموعے تیار کیے گئے، اور علمِ حدیث کی حفاظت کے لیے سو سے زیادہ علوم کی بنیاد ڈالی گئی۔ مثلاً علم اسماء الرجال، علم مصطلح الحدیث، علم غریب الحدیث، علم تخریج

الحدیث، علم الاحادیث الموضوعہ، علم الناسخ والمنسوخ، علم التوفیق بین الاحادیث، علم المختلف والموتلف، علم اطراف الحدیث، فقہ الحدیث وغیرہ۔ ان علوم پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں۔

جامعین حدیث

۱- امام احمد بن حنبلؒ (ولادت ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ):

آپ کی اہم تالیف ''مسند احمد'' ہے۔ یہ تیس ہزار روایات پر مشتمل ہے۔ اس کی چوبیس جلدیں ہیں، اس کتاب میں ہر صحابی کی تمام روایات یکجا مرتب کردی گئی ہیں۔

۲- امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ (ولادت: ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ)

امام بخاریؒ کی سب سے اہم تصنیف ''صحیح البخاری'' ہے جس کا پورا نام ''الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ ﷺ وأیامه'' ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں ۱۶؍سال صرف ہوئے براہِ راست امام بخاریؒ سے پڑھنے والے تلامذہ کی تعداد ۹۰؍ہزار تک پہنچتی ہے، بعض دفعہ ایک ہی مجلس میں حاضرین کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ جایا کرتی تھی۔ اس میں احادیث کی کل تعداد ۹۶۸۴ ہے۔ اگر مکرّر روایات، تعلیقات، شواہد اور مرسل روایات کو حذف کردیا جائے تو مرفوع روایات کی تعداد ۶۲۳ ہے۔ چھ لاکھ احادیث امام بخاریؒ کو یاد تھیں، اس کتاب میں انھوں نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اس قدر احتیاط سے کام کیا ہے کہ باقاعدہ غسل، وضو اور نوافل کے اہتمام کے بعد چھان پھٹک کر حدیث نقل کرتے۔

اس کتاب کا محرّک یہ ہے کہ ان کے استاد اسحٰقؒ بن راہویہ کی یہ خواہش تھی کہ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا جائے تو امام بخاریؒ نے فرمایا تھا کہ میں یہ کام کروں گا۔ اور دوسرا محرّک ان کا خواب تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو پنکھا جھل رہے ہیں۔

۳- امام مسلم بن حجاج قشیریؒ (ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ):

ان کی کتاب ''صحیح مسلم''، حسنِ ترتیب کے لحاظ سے زیادہ ممتاز ہے، امام بخاریؒ اور امام

احمد بن حنبلؒ ان کے استاد ہیں اور امام ترمذی ابوبکر بن خزیمہ اور ابوحاتم رازی کا شمار ان کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔

۴- امام ابوداؤد- یمان بن اشعث (ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ)

ان کی اہم تصنیف ''سنن ابوداؤد'' ہے۔ اس میں زیادہ تر احکام پر مشتمل روایات کو پوری جامعیت کے ساتھ یکجا کر دیا گیا ہے۔ فقہی اور قانونی مسائل کا یہ بہترین ماخذ ہے، یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث پر مشتمل ہے۔

۵- امام ابوعیسیٰ الترمذی (ولادت ۲۰۹ھ وفات ۲۷۹ھ):

ان کی اہم تصنیف ''سنن ترمذی'' ہے، جسے ''جامع ترمذی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کتاب میں فقہی مسالک کی تفصیل وضاحت سے کی گئی ہے۔

۶- امام احمد بن شعیب نسائی (وفات ۳۰۳ھ):

ان کی تصنیف کا نام ''السنن المجتبیٰ'' ہے۔

۷- امام محمد بن یزید بن ماجہ قزوینی (وفات ۲۷۳ھ):

ان کی کتاب سنن ابنِ ماجہ کے نام سے مشہور ہے۔

ان کے علاوہ دارمیؒ، دار قطنیؒ، طبرانیؒ، طحاویؒ، امام شافعیؒ، ابنِ جریر طبریؒ وغیرہ کی کتب بھی اسی دور کی تالیفات ہیں۔

ساتواں دور

یہ دور تقریباً پانچویں صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔

اس دور میں حدیث کی اہم کتابوں کی شرحیں حواشی اور دوسری زبانوں میں تراجم لکھے گئے۔ علومِ حدیث پر کثیر تعداد میں کتابیں اور ان کی شرحیں وخلاصے لکھے گئے۔ علماء نے اپنے ذوق یا ضرورت کے مطابق مستند کتابوں سے احادیث منتخب کر کے مفید کتابیں تیار کیں جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

۱- مشکوٰۃ المصابیح:

یہ ولی الدین خطیبؒ کی تالیف ہے، اس میں عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، آداب اور حشر و نشر سے متعلق روایات جمع کردی گئی ہیں۔

۲- ریاض الصالحین:

یہ امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی کی تالیف ہے، جو صحیح مسلم کے شارح ہیں۔ اس کتاب میں زیادہ تر اخلاق و آداب پر مشتمل احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اور صحیح بخاری کے طرز پر ہر باب کے شروع میں عنوان کے مطابق قرآنی آیات بھی ذکر کی گئی ہیں۔

۳- منتقی الأخبار:

یہ مجدالدین ابوالبرکات عبدالسلام بن تیمیہؒ کی تالیف ہے، جو مشہور شیخ الاسلام تقی الدین احمد بن تیمیہؒ کے جدِّ امجد ہیں اس کتاب کی شرح آٹھ جلدوں میں قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے نیل الاوطار کے نام سے مرتب کی ہے۔

۴- بلوغ المرام:

یہ حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری کی تالیف ہے اس میں زیادہ تر عبادات اور معاملات سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں اس کی شرح ''سبل السلام'' عربی میں ہے جو محمد بن اسماعیل صنعانی (وفات ۱۱۸۲ھ) نے لکھی اور دوسری شرح فارسی میں نواب صدیق حسن خان (وفات ۱۳۰۷ھ) نے ''مسک الختام'' کے نام سے لکھی۔ اس کے علاوہ بھی اہم شرحیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار کتابیں لکھی گئیں اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ یہ ساری تفصیلات اس بات کا پتہ دیتی ہیں کہ عہدِ رسول ﷺ سے لے کر آج تک کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں حدیث کے لکھنے اور روایت کرنے کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہو۔

■❖■

طبقاتِ کتبِ حدیث

محدثین نے روایات کی صحت وقوت کے لحاظ سے تمام کتبِ حدیث کو درج ذیل چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) پہلا درجہ:

صحیح بخاری، صحیح مسلم: یہ دو کتابیں روایات کی صحت اور راویوں کی ثقاہت کے اعتبار سے اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں میں صحیح بخاری کا درجہ صحیح مسلم سے بھی افضل ہے۔ کچھ لوگوں نے مؤطا امام مالک کو بھی پہلے درجے کی کتابوں میں شمار کیا ہے۔

(۲) دوسرا درجہ

ابوداؤد، ترمذی، نسائی: یہ دوسرے درجے کی قابلِ اعتماد کتابیں ہیں، بعض لوگوں نے مسند احمد کو بھی اس میں شمار کیا ہے۔

(۳) تیسرا درجہ

سنن دارمی، ابن ماجہ، بیہقی، سنن دارقطنی، کتب طبرانی، تصانیف طحاوی، مسند شافعی، مستدرک حاکم: یہ تیسرے درجہ کی کتب ہیں ان میں صحیح ضعیف ہر قسم کی روایات موجود ہیں لیکن قابلِ اعتماد روایات کا عنصر غالب ہے۔

(۴) چوتھا درجہ:

تصانیف ابن جریر طبری، کتب خطیب بغدادی، کتب ابونعیم، ابن عساکر، دیلمی صاحب فردوس، کامل ابن عدی، تالیفات ابن مردویہ، واقدی: یہ اور اسی نوع کے دوسرے مصنفین کی کتب چوتھے درجے کی تالیفات میں شمار کی جاتی ہیں۔ یہ تالیفات رطب و یابس کا مجموعہ

ہیں۔ موضوع (من گھڑت) روایات تک ان میں بکثرت موجود ہیں۔ زیادہ تر عام واعظین، مؤرخین اور اصحاب تصوف کا سہارا یہی کتابیں ہیں لیکن چھان بین کے ذریعے ان تالیفات سے بھی بیش بہا جواہر ریزے نکالے جاسکتے ہیں۔

حدیث کی کچھ اور اہم کتابیں

۱- صحيح ابنِ خزيمه

۲- صحيح ابن حبّان

۳- المعجم الكبير

۴- المعجم الأوسط

۵- المعجم الصغير للطبراني. (۱)

■❖■

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے رسالے کو دیکھیں جس کا نام ہے۔ ما یحب حفظه للناظر اس میں انھوں نے کتب حدیث کو پانچ طبقات پر منقسم کیا ہے۔

صحابہ کی شناخت و پہچان

لغوی معنیٰ:

صحابی کی جمع اصحاب ہے۔ الصاحب هو الملازم والمعاشر ، وجمعه صحابة و أصحاب. کہا جاتا ہے "صاحبت فلانا" بمعنى رافقته و عاشرته ولازمته گویا عربوں کی زبان میں ساتھ رہنے والے یعنی ساتھی کو صحابی کہا جاتا ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں صحابی کی تعریف درج ذیل ہے:

من لقى رسول الله ﷺ مومنا ومات على الاسلام۔

"جس نے ایمان کی حالت میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا۔"

دوسری تعریف:

والصحابى: من رأى رسول الله فى حال اسلام الراوى۔
وان لم تطل صحبته له، وإن لم يروِ عنه شيئا۔
(الباعث الحثيث، ص١٥١)

"صحابی وہ شخص کہلاتا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی حالت میں دیکھا ہو، اگرچہ اس کو آپ ﷺ کی طویل صحبت میسر نہ رہی ہو اور اگرچہ اس نے آپ ﷺ سے کوئی روایت بھی نہ کی ہو۔"

صحابی کی یہ تعریف سلف وخلف جمہور علماء نے کی ہے۔

تیسری تعریف:

من لقى النبى ﷺ مسلماً ومات على الإسلام ولو تخلّلت

ذلك الردةُ على الأصح كعبد بن أبی سرع.

''(صحابی وہ ہے) جس نے حالتِ اسلام میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو اور صحیح قول کے مطابق اگر چہ وہ درمیانی عرصہ میں مرتد ہوگیا ہو جیسے عبداللہ بن ابی سرع۔''

سعید بن المسیبؒ کی تعریف:

لا بدَّ من أنْ يصحبه سنةً أو سنتين أو يغزو معه غزوةً أو غزوتين.

''(صحابی ہونے کے لیے) آپ ﷺ کی ایک یا دو سال کی ہم نشینی ضروری ہے یا پھر کسی ایک یا دو غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت ضروری ہے۔''

شعبہ کی روایت:

شعبہ، موسیٰ سبلانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے انس بن مالکؓ سے پوچھا: کیا آپ کے علاوہ صحابہ رسول ﷺ میں سے کوئی حیات ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:

ناسٌ من الأعراب رأوه، فأما من صحبه فلا.

(رواه مسلم بحضرة ابی زرعة)

''اعراب میں سے کچھ لوگ ہیں جنھوں نے ان کو دیکھا ہے، رہے وہ جنھیں ہم نشینی کا شرف حاصل ہوا تو کوئی باقی نہیں ہے۔''

درج ذیل پانچ امور میں سے کسی ایک کے ذریعے صحابہ کی شناخت کی جاتی ہے۔

(۱) تواتر: جیسے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ

(۲) شہرت: جیسے ضمام بن ثعلبہ اور عکاشہ بن محصن۔

(۳) کسی صحابی کا خبر دینا۔

(۴) کسی ثقہ تابعی کا خبر دینا۔

(۵) عادل شخص کا اپنے بارے میں خود خبر دینا بشرطیکہ اس کا دعویٰ ممکن ہو۔

کیا تمام صحابہ کرام عدول ہیں؟

صحابہ کرامؓ سارے عدول ہیں اور ان کی عدالت سے مراد یہ ہے کہ نہ تو انھوں نے قصداً جھوٹ کا ارتکاب کیا اور نہ ہی ان امور کے مرتکب ہوئے جو ان کی عدمِ قبولیت کو واجب کردیں۔ چنانچہ بغیر کسی بحث و مباحثہ کے ان کی روایات کو قبول کیا جائے گا۔

لیکن جو صحابی جنگِ جمل اور جنگ صفین جیسے واقعات میں فتنہ میں گرفتار ہوگئے تو ان کا معاملہ اجتہاد پر منحصر ہوگا۔

سب سے زیادہ روایات کن صحابہ کرامؓ سے مروی ہیں:

درج ذیل صحابہ کرام سے دیگر صحابہ کے مقابلے میں کثیر تعداد میں روایات مروی ہیں۔

(۱) ابو ہریرہؓ: ان سے پانچ ہزار تین سو سینتالیس (۵۳۴۷) احادیث مروی ہیں اور تین سو سے زیادہ اشخاص نے ان سے روایت اخذ کی ہیں۔

(۲) ابنِ عمرؓ: ان سے دو ہزار چھ سو تیس (۲۶۳۰) احادیث مروی ہیں۔

(۳) انس بن مالکؓ: ان سے دو ہزار دو سو چھیاسی (۲۲۸۶) احادیث مروی ہیں۔

(۴) ام المؤمنین حضرت عائشہؓ: ان سے دو ہزار سولہ (۲۰۱۶) احادیث مروی ہیں۔

(۵) ابنِ عباسؓ: ان سے ایک ہزار چھ سو ساٹھ (۱۶۶۰) احادیث مروی ہیں۔

(۶) جابر بن عبداللہؓ: ان سے ایک ہزار پانچ سو چالیس (۱۵۴۰) احادیث مروی ہیں۔

(۷) ابو سعید خدریؓ: ان سے ایک ہزار ایک سو ستر (۱۱۷۰) احادیث مروی ہیں۔

(۸) عبداللہ ابنِ مسعودؓ: ۸۴۸/احادیث مروی ہیں۔

(۹) عبداللہ بن عمرو بن العاص: ۷۰۰/احادیث مروی ہیں۔

وہ صحابہ کرام جن کو علماءِ کبار میں شمار کیا جاتا ہے

وہ صحابہ کرام جن کو علماءِ کبار میں شمار کیا جاتا ہے، وہ چھ ہیں۔ مسروق تابعی فرماتے ہیں:

انتهى علم الصحابة إلى ستّة: عمر و علی و أبی بن كعب

و زید بن ثابت و أبی الدرداء و ابن مسعود، ثم انتهی علم الستة: إلی علی و عبدالله بن مسعود واکثرهم فقهاً هو ابن عباسٍ رضی الله عنه۔

''صحابہ کرام کے علم کے حامل چھ ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں: (۱) حضرت عمرؓ، (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت ابی بن کعبؓ (۴) حضرت زید بن ثابتؓ (۵) حضرت ابوالدرداءؓ (۶) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ پھر ان لوگوں کے علم کے حامل دو ہیں: حضرت علیؓ وحضرت عبداللہ بن مسعودؓ — حضرت عبداللہ بن عباسؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دین کو سمجھنے والے تھے۔''

عبادلہ کون ہیں:

عبادلہ وہ صحابہ کرام ہیں، جن کا نام عبداللہ ہے۔ ایسے تقریباً تین سو صحابہ ہیں لیکن عام طور پر درج ذیل چار صحابہ پر عبادلہ کا اطلاق کیا جاتا ہے:

(۱) عبداللہ ابن عمرؓ (۲) عبداللہ ابن عباسؓ

(۳) عبداللہ ابن زبیرؓ (۴) عبداللہ ابن عمرو بن العاص

ان چاروں صحابہ کرامؓ کی وفات بھی دوسروں کے مقابلے میں بعد میں ہوئی لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا اور جب کبھی ان چاروں نے کسی فتوے پر اتفاق کیا تو کہا جاتا تھا:

هذا قول العبادلة۔

''یہ عبادلہ کا قول ہے۔''

صحابہ کرام کی تعداد:

علماء کے اقوال کے مطابق صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ ہے اور ان میں سب سے مشہور قول ابوزرعہ رازی کا ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر ستر ہزار صحابہ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور حجۃ الوداع کے موقع پر نیز آپ کی وفات کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔

صحابہ کرام میں سب سے افضل صحابہ:

جمہور اہلِ سنت کے اجماع کے مطابق سب سے افضل صحابہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، جبکہ بعض اہلِ کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دی ہے۔

غرضیکہ تمام عشرۂ مبشرہ کو فضیلت ہے۔ پھر اہلِ بدر پھر اہلِ احد پھر حدیبیہ کے دن بیعتِ رضوان میں شریک ہونے والوں کو فضیلت حاصل ہے۔

سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرامؓ

(۱) آزاد مردوں میں : ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۲) بچوں میں: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۳) عورتوں میں: ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا

(۴) آزاد کردہ غلاموں میں: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

(۵) غلاموں میں: بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

سب سے آخر میں کس صحابی کی وفات ہوئی:

ابوالطفیل عامر بن واثلۃ اللیثی رضی اللہ عنہ کی وفات مکہ میں ۱۰۰ھ میں ہوئی۔ اور ان سے پہلے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات بصرہ میں ۹۳ھ میں ہوئی۔

مشہور تصنیفات:

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

(۲) أسد الغابة في معرفة الصحابة: ابن اثير (۶۳۰ ھ)

(۳) الاستيعاب في اسماء الأصحاب: ابن عبدالبر (۴۶۳ھ)

تابعی کی شناخت وپہچان

لغوی معنی:

تابعی کا لغوی معنی ہے "الـلاحق" یعنی ملنے والا۔ اور دوسرا معنی ہے۔ "من سار فی اثرہ" یعنی کسی کے پیچھے چلنے والا بھی تابعی کہلاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح میں تابعی کی درج ذیل تعریف ہے:

کل من لقِیَ صحابیاً مومنا و مات علی الاسلام۔

ہر وہ شخص جس نے کسی صحابی سے بحالتِ ایمان ملاقات کی اور اسلام پر اس کا خاتمہ ہوا۔"

خطیب بغدادی کی تعریف:

التابعی من صحب الصحابی۔

"تابعی وہ ہے جس کو کسی صحابی کی ہم نشینی حاصل ہوئی ہو۔"

گویا تابعینؒ صحابہ کرامؓ کے شاگرد ہیں انھوں نے ان کے علم کو ان سے منتقل کیا اور انھوں نے صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والوں کے درمیان ہمزۂ وصل کا کام کیا ہے، چند مشہور تابعین وتابعات کے نام درج ذیل ہیں:

سعید بن مسیّبؒ، قاسم بن محمدؒ، خارجہ بن زیدؒ، عروہ بن زبیرؒ، سلیمان بن یسارؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ، سالم بن عبداللہ بن عمرؒ، حفصہ بنتِ سیرینؒ، عمرہ بنتِ عبدالرحمٰنؒ، ام درداء صغریٰؒ۔

طبقات:

تابعین کے طبقات کی تعداد کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

(۱) امام مسلم کے نزدیک تابعین کے تین طبقات ہیں۔
(۲) ابن سعد نے تابعین کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔
(۳) حاکم نے تابعین کو پندرہ طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ اور ان میں سب سے افضل طبقہ اسے بتایا ہے جس نے عشرۂ مبشرہ سے ملاقات کی۔

مخضرم تابعی

لغوی معنی:

خضرم کا لغوی معنی ہے: "الاشتراك بين الشيئين"

اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں مخضرم کی درج ذیل تعریف ہے:

رجل مخضرم: یعنی جس شخص نے جاہلیت اور اسلام دونوں دور پایا ہو، اور ایمان کی حالت میں نبی ﷺ کو نہ دیکھا ہو، تابعین میں شمار ہوگا خواہ پتہ ہو کہ وہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہوا تھا یا نہیں۔

دوسری تعریف:

الخضرمة کا لغوی معنیٰ ہے "القطع" (یعنی کاٹنا) اور اصطلاح میں مخضرم وہ تابعین کہلاتے ہیں جنھوں نے زمانہ جاہلیت بھی پایا اور نبی ﷺ کے عہد سعید کو بھی پایا لیکن آپ ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا گویا کہ وہ اپنے ہم عصر صحابہ کی صف سے کٹ کر علیحدہ ہوگئے اس لیے انھیں مخضرم تابعین کہا جاتا ہے۔ امام مسلمؒ نے مخضرم تابعین کی تعداد بیس (۲۰) شمار کی ہے۔

چند مشہور مخضرمین کے نام یہ ہیں: ابو عمرو الشیبانیؒ، سوید بن غفلۃؒ، عمرو بن میمونؒ، ابوعثمان النہدیؒ، ابوالحلال العتکیؒ، عبد خیر بن یزید الخیوانیؒ، ربیعہ بن زرارہؒ۔

فقہاءِ سبعہ یا فقہاءِ مدینہ:

فقہاء سبعہ یا فقہاء مدینہ ان سات اکابر تابعین کو کہا جاتا ہے، جن کا شمار تابعین کے

بڑے علماء میں ہوتا ہے اور یہ ساتوں علماء کرام مدینہ کے رہنے والے تھے ان کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) سعید بن المسیبؒ (۱۰۱ھ) (۲) قاسم بن محمدؒ (۱۰۱ھ)

(۳) عروہ بن زبیرؒ (۹۹ھ) (۴) خارجہ بن زیدؒ (۹۹ھ)

(۵) عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؒ (۱۰۲ھ) (۶) سلیمان بن یسارؒ (۱۰۷ھ)

(۷) سالم بن عبداللہ بن عمرؒ (۱۰۶ھ)

افضل تابعین:

کون سے تابعی کو سب سے افضل مرتبہ حاصل ہے اس سلسلے میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے:

(۱) سعید بن میسب: بعض اہلِ مدینہ اور جمہور کے نزدیک افضل تابعی ہیں۔

(۲) حسن بصری: بعض اہل بصرہ کے نزدیک افضل تابعی ہیں۔

(۳) علقمہ اور اسود: اہلِ کوفہ کے نزدیک افضل تابعی ہیں۔

(۴) اویس قرنی: بعض اہلِ کوفہ کے نزدیک افضل تابعی ہیں۔

(۵) عطاء بن ابی رباح: اہلِ مکہ کے نزدیک افضل تابعی ہیں۔

افضل تابعات:

ابوبکر بن ابی داؤد فرماتے ہیں:

سیدۃ التابعات حفصہ بنت سیرین اور عمرہ بنتِ عبدالرحمٰن ہیں۔ اور ان دونوں کے بعد ام الدرداء صغریٰ ہیں۔

مشہور تصنیف:

معرفة التابعين: ابو المطرف بن فطيس الأندلسي.

سند یا اسناد

لغوی معنی:

السند: بفتح السين والنون، هو كل ما يعتمد عليه و يستند إليه من حائط أو جبل، وأسندت الحديث إلى قائله: عزوته و رفعته إليه.

''سند: سین اور نون کے زبر کے ساتھ ہے۔ ہر اس چیز کو (پہاڑ یا دیوار) کہتے ہیں جس کا سہارا لیا جائے۔ اور اسندت الحديث الى قائله کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے حدیث کو اس کے کہنے والے کی طرف منسوب کر دیا۔

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں سند کی درج ذیل تعریف ہے:

سلسلة الرولة الذين نقلوا بالتسلسل واحداً من الآخر نصّاً بالحديثِ المسمىٰ بالمتن۔ (المعجم الوسيط و قطوف)

''روایوں کا وہ سلسلہ جنھوں نے حدیث کی اس نص کو جسے متن کہا جاتا ہے یکے بعد دیگرے نقل کیا ہو۔

سند اس امت کی خصوصیت ہے اخبار اور احادیث کو نقل کرنے میں سند پر ہی اعتماد کیا جاتا ہے۔ اسلاف نے بھی سند کا حد درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ (۱) عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ:

الاسناد من الدين ولولا الإسناد لقال من شاء ماشاء۔

(رواه مسلم، من الأدب النبوى)

''سند دین کا ایک جز ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہہ دیتا۔''

سند کی اہمیت کے پیشِ نظر امام مسلمؒ نے اپنی کتاب صحیح مسلم کا آغاز ''سند'' سے کیا ہے، چنانچہ اب حدیث کی صحت اور ضعف کا دار و مدار حدیث کی سند پر ہے۔

(۱) تفصیل دیکھئے: "الملل والنحل" للحافظ ابن حزم، رياض صالح جنزربی

متن

المتن: بفتح المیم وسکون التاء میم پر زبر اور تاء ساکن کے ساتھ

لغوی معنیٰ:

متن کا لغوی معنیٰ ہے:

متن الأرض ما ارتفع واستوی منها (''بلند اور ہموار سطح زمین۔'')

ومن الکتاب هو أصل نصوصه، خلاف الشرح والحواشی، ومتن اللغة أصولها ومفرداتها.

یعنی متن کتاب کے حواشی اور شرح کو چھوڑ کر اصل مضمون کو کہتے ہیں اور متن اللغۃ زبان کے اصول اور مفردات کو کہتے ہیں۔''

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں متن سے مراد وہ کلام ہے جو سند کے بعد شروع ہوتا ہے یعنی صرف حدیث کے مضمون کو کہتے ہیں، جو بغیر کسی اضافے کے ہو۔

سند اور متن کی وضاحت کی مثال:

روی الامام مسلم فی صحیحه: حدثنا أبوبکر بن أبی شیبة وزهیر بن حرب قالا: حدثنا وکیع عن سفیان عن أبی حازم عن سهل بن سعد الساعدی عن النبی ﷺ قال: غدوة أو روحة فی سبیل الله، خیر من الدنیا و مافیها.

اس میں سند ہے: **ابوبکر بن أبی شیبه وزهیر بن حرب، و وکیع و سفیان، وأبو حازم، و سهل بن سعد الساعدی** رضی اللہ عنہ اور متن ہے نبی ﷺ کا ارشاد: **غدوة أو روحة فی سبیل الله، خیر من الدنیا و ما فیها.**

''اللہ کے راستے میں ایک صبح اور ایک شام دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے۔''(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: قطوف من الأدب النبوی / ریاض صالح جنزرلی

حدیث کی کتابوں کی اقسام

اس موضوع پر مختلف قسم کی کتابیں لکھی جا چکی ہیں ان میں سے کچھ مشہور اقسام درج ذیل ہیں:

۱- جامع

جامع حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں درج ذیل آٹھ علوم کو بیان کیا جائے:

(۱) عقائد
(۲) احکام
(۳) آداب
(۴) مناقب
(۵) سیر
(۶) فتن
(۷) تفسیر
(۸) اشراط (قیامت سے متعلق اخبار)

مشہور جوامع:

☆ جامع الصحیح للبخاری
☆ جامع الصحیح لمسلم
☆ جامع عبدالرزاق
☆ جامع ثوری
☆ جامع ابن عیینہ
☆ جامع معمر
☆ جامع ترمذی

۲- معجم

معجم کی جمع معاجم ہے۔ معجم حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں شیوخ کے ناموں کو حروف تہجی کی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہو۔ خواہ یہ ترتیب صحابۂ کرام میں ہو یا شیوخ میں۔

کبھی شیوخ کے ناموں کی ترتیب ان کی عمروں یا شہروں کے اعتبار سے بھی ہوتی ہے۔ عام طور سے معجم کی یہی تعریف کی جاتی ہے اور یہی درست ہے۔

مشہور معاجم:

۱- المعاجم الثلاثة للطبرانی

(المعجم الکبیر، المعجم الأوسط، المعجم الصغیر)

۲- معجم الصحابة: لأحمد بن علی بن لال الهمدانی (۳۹۸ھ)

۳- معجم الصحابة: لأبی یعلی أحمد علی الموصلی (۳۰۷ھ)

۳- سنن

سنن حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں احادیث کو فقہی ابواب مثلاً کتاب الایمان، کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہو۔ سنن کے نام پر تقریباً ۲۵ کتابیں ہیں۔

مشہور سنن:

۱- سنن أبی داؤد: لسلیمان بن الأشعث السجستانی (۲۷۵ھ)

۲- سنن النسائی: لأبی عبدالرحن أحمد بن شعیب النسائی (۳۰۳ھ)

۳- سنن إبن ماجه: لمحمد بن یزید بن ماجه القزوینی (۲۷۵ھ)

۴- سنن الشافعی : لمحمد بن ادریس الشافعی (۲۰۴ھ)

۵- سنن البیهقی: لأبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (۴۵۸ھ)

۶- سنن الدار قطنی: لعلی بن عمر الدار قطنی (۳۸۵ھ)

۷- سنن الدارمی: لعبداللّٰه بن عبدالرحمن الدارمی (۲۵۵ھ)

۴- مستدرک

استدراک کا معنی ہے تلافی کرنا۔ مستدرک حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مؤلف نے ان احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہو، جو کسی دوسری کتاب کے مؤلف کی شرط

کے مطابق تو ہوں لیکن اس کی کتاب میں جمع ہونے سے رہ گئی ہوں۔

مشہور مستدرکات:

۱- المستدرک علی الصحیحین: لأبی عبداللہ الحاکم (۴۰۵ھ)

اس کتاب میں امام حاکم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر استدراک کرتے ہوئے احادیث جمع کی ہیں اور اس طرح بیان کرتے ہیں:

صحیح علی شرطهما و لم یخرجاه، صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجه، صحیح علی شرط مسلم ولم یخرجه.

اس کتاب میں انھوں نے بہت سی ضعیف، بلکہ منکر اور موضوع احادیث کو بھی صحیح قرار دے دیا ہے جیسا کہ حافظ ذہبی نے اپنی تلخیص میں واضح کیا ہے۔ اس لیے محدثین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس تساہل کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنی عمر کے آخری حصے میں تصنیف کی اور ان کو نظر ثانی کی مہلت نہ مل سکی۔

۵- مستخرج

مستخرج حدیث کی وہ کتاب ہے، جس میں مؤلف نے کسی مخصوص کتاب سے حدیثوں کا استخراج کیا ہو۔ مگر اس کتاب کے طریق پر تخریج نہ کی، بلکہ تحقیقی طور پر کام کیا اور اپنی سند کے ساتھ حدیث کو نقل کیا ہو جس میں مصنف کا واسطہ نہ آتا ہو۔

وقد یجتمع معه فی شیخه أو من فوقه

''اور کبھی واسطہ اس کے ساتھ اس شیخ یا اس سے اوپر جا کر مل جاتا ہو۔''

البتہ حدیث کے متن میں موافقت معتبر ہوتی ہے لیکن بسا اوقات الفاظ میں تھوڑا بہت فرق بھی ہو جاتا ہے۔

مشہور مستخرجات:

المستخرج علی الشیخین:

۱- لأبی نعیم الاصبهانی (۴۳۰ھ)

۲- لابن الأخرم (۳۴۴ھ)

۳- لأبی بکر البرقافی (۴۲۵ھ)

المستخرج علی البخاری:

۱- للاسماعیلی (۳۷۱ھ)

۲- للغطریفی (۳۷۷ھ)

۳- لابن أبی ذهل (۳۷۸ھ)

المستخرج علی مسلم:

۱- لأبی عوانة الأسفراینی (۳۱۰ھ)

۲- للحیری (۳۱۱ھ)

۳- لأبی حامد الھروی (۳۵۵ھ)

۶- کتب العلل

کتب العلل احادیث کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں معلول احادیث ان کی علتوں کے بیان کے ساتھ نقل کی جاتی ہیں:

مشہور کتب علل:

۱- العلل: لابن أبی حاتم (۳۲۷ھ)

۲- العلل: للدار قطنی (۳۸۵ھ)

۷- مسند

مسند حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی کی تمام مرویات کو نقل کر دیا جائے، خواہ وہ صحیح ہوں یا ضعیف۔ اور صحابہ کرام کے نام کبھی حروف تہجی کے اعتبار سے ہوں اور کبھی اسلام میں پہل کے اعتبار سے ہوں اور کبھی فضیلت کے اعتبار سے اور کبھی مہاجرین

اور انصار کے طبقات کی ترتیب پر ہوں۔ مسند میں ایک صحابی کی تمام احادیث تلاش کرنے میں مدد ملتی ہے۔

مسند اور معجم کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہوگی یعنی مسند عام ہے اور معجم خاص ہے۔

مشہور مسانید:

۱- مسند أحمد بن حنبل (۲۴۱ هـ)

۲- مسند الشافعي (۲۰۴هـ)

۳- مسند نعيم ابن حمّاد: اس طرز کی سب سے پہلی کتاب ہے۔

۸-السنّةُ

سنۃ سے مراد حدیث کی وہ کتاب ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث بیان کی جاتی ہوں جس میں سنت پر عمل واتباع پر ابھارا گیا ہے اور بدعات وخرافات کو ترک کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ سنت کے موضوع کی مشہور کتابیں:

۱- كتاب السنة، للإمام احمد

۲- كتاب السنة لأبي بكر الخلال

۹-المصنفات

مصنّف وہ کتاب ہے جو فقہی ابواب پر مشتمل ہو، اس میں مرفوع، موقوف اور مقطوع ہر قسم کی روایات منقول ہوتی ہیں یعنی احادیثِ نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے اقوال اور تابعین وتبع تابعین کے فتاویٰ بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

سنن اور مصنّفات کے درمیان فرق:

سنن اور مصنّفات کے درمیان فرق یہ ہے کہ سنن میں صرف احادیث مرفوع نقل کی جاتی ہیں جبکہ مصنّفات میں درج بالا ہر قسم کی روایات موجود ہوتی ہیں۔

مشہور مصنفات:

۱- المصنّف لأبی بکر عبداللہ بن محمد بن أبی شیبة الکوفی (۲۳۵ھ)

۲- المصنّف لبقی بن مخلد القرطبی (۲۷۲ھ)

۳- المصنّف لأبی بکر عبدالرزّاق بن همام الصاغانی (۲۱۱ھ)

۴- المصنّف لأبی سفیان وکیع بن الجراح الکوفی (۱۹۶ھ)

۵- المصنّف لأبی سلمة حماد بن سلمة البصری (۱۶۷ھ)

۱۰- مؤطا

مؤطا بھی حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جو فقہی ابواب پر مشتمل ہو، اور اس میں مرفوع موقوف اور مقطوع ہر قسم کی احادیث موجود ہوتی ہیں گویا موضوع کے اعتبار سے یہ مصنّف کی طرح ہے صرف نام کا فرق ہے۔

مشہور مؤطات:

۱-- المؤطا للامام مالک بن انس المدنی (۱۷۹ھ)

۲- المؤطا لابن أبی ذئب محمد بن عبدالرحمن المدنی (۱۵۸ھ)

۳- المؤطا لأبی محمد عبداللہ بن محمد المروزی المعروف بعبدان (۲۹۳ھ)

۱۱- جزء

جز حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں مؤلف نے کسی ایک صحابی کی روایات جمع کی ہوں، یا کسی ایک راوی کی روایات جمع کی ہوں، یا پھر کسی ایک موضوع پر وارد ہونے والی تمام احادیث جمع کی ہوں۔ جیسے فتن اور قیام اللیل۔

مشہور اجزاء:

۱- جزء رفع الیدین فی الصلاة : للبخاری

٢- جزء قراءة خلف الامام: للبخارى

٣- الترغيب والترهيب: لزكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (٦٥٦هـ)

٤- الترغيب والترهيب: لأبى حفص عمر بن أحمد المعروف بابن شاهين (٣٨٥هـ)

٥- كتاب ذم الغيبة: لابن أبى الدنيا البغدادى (٢٨١هـ)

٦- كتاب ذم الحسد: لابن أبى الدنيا البغدادى (٢٨١هـ)

٧- كتاب ذم الدنيا: لابن أبى الدنيا البغدادى (٢٨١هـ)

٨- كتاب أخلاق النبى: لأبى الشيخ إبن محمد عبدالله بن محمد الاصبهانى (٣٦٩هـ)

٩- كتاب الزهد: لأحمد بن حنبل (٢٤١هـ)

١٠- كتاب الزهد: لعبد الله بن المبارك (١٨١هـ)

١١- كتاب الذكر والدعاء: لأبى يوسف (١٨٢هـ) صاحب أبى حنيفة

١٢- كتاب فضائل الصحابة: لأبى نعيم الاصبهانى (٤٣٠هـ)

١٣- كتاب الفتن والملاحم: لأبى عبدالله نعيم بن حمّاد المروزى (٢٢٨هـ)

١٤- كتاب الجهاد: لعبدالله بن المبارك المروزى

١٥- كتاب الإخلاص: لإبن أبى الدنيا البغدادى (٢٨١هـ)

١٦- كتاب الأسماء والصفات: لأبى بكر أحمد بن حسين البيهقى (٤٥٨هـ)

١٧- كتاب ذم الكلام: لأبى إسماعيل عبدالله بن محمد الأنصارى الهروى (٤٨١هـ)

۱۲- أحکام

أحکام سے مراد وہ کتابیں ہیں جو صرف احکام کی احادیث پر مشتمل ہوں اور یہ احادیث مؤلف نے مصنفات سے نکال کر فقہی ابواب پر مرتب کی ہوں۔

مشہور کتابیں:

۱- الأحكام الكبرى : لأبى محمد عبدالحق بن عبدالرحمن الأشبيلى (۵۸۱هـ)

۲- الأحكام الصغرى : لأبى محمد عبدالحق بن عبدالرحمن الأشبيلى (۵۸۱هـ)

۳- الأحكام: لعبد الغنى بن عبدالواحد المقدسى (۶۰۰هـ)

۴- عمدة الأحكام عن سيد الأنام : لعبد الغنى بن عبدالواحد المقدسى.

۵- الامام فى أحاديث الأحكام لمحمد بن على المعروف بابن دقيق العيد. (۷۰۲هـ)

۶- المنتقى فى الأحكام: لعبد السلام بن عبدالله بن تيمية الحرانى (۶۵۲هـ)

۷- بلوغ المرام من أدلة الأحكام للحافظ ابن حجر العسقلانى (۸۶۲هـ)

۱۳- کتب الجمع

كل كتابٍ جمع فيه مؤلفة أحاديث عدة مصنفات

حدیث کی ہر وہ کتاب کہلاتی ہے، جس میں مؤلف نے متعدد کتابوں کی احادیث کو تکرار کے حذف کے ساتھ جمع کر دیا ہو۔"

مشہور کتابیں:

۱- مشارق الأنوار النبوية من صحاح الأخبار المصطفية: للحسن بن محمد الصاغانى (۶۵۰هـ) اس کتاب میں مؤلف نے صحیحین کی احادیث کو

جمع کیا ہے۔

۲- جامع الحميدى: لابن عبدالله محمد بن أبى نصر فتوح الحميدى (۴۸۸ھ) اس میں بھی صحیحین کو جمع کیا گیا ہے۔

۳- التجريد للصحاح السنن: لأبى الحسين رزين بن معاوية الاندلسى (۵۳۵ھ) اس کتاب میں صحیحین، مؤطا امام مالک، سنن ترمذی، نسائی اور ابوداؤد کو جمع کیا گیا ہے۔

۴- جامع الاصول من أحاديث الرسول: لأبى السعادت مجد الدين بن الأثير: (۶۰۶ھ) اس کتاب میں صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

۵- جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد: لمحمد بن محمد سليمان المغربى (۱۰۹۴ھ)

اس کتاب میں مؤلف نے چودہ مصنّفات کو جمع کیا ہے، یہ کتاب مندرجہ ذیل کتب حدیث کا مجموعہ ہے:

صحاح ستّه، مؤطا، مسند دارمى، مسند احمد، مسند أبى يعلى، مسند بزّار، معاجم الثلاثة للطبرانى۔

۱۴- أطراف

كل كتابٍ ذكر فيه مصنفه طرف كلّ حديثٍ الذى يدلُّ على بقيته ثمَّ يذكر أسانيد كل متن إما مستوعباً أو مقيداً لها ببعض الكتب.

اطراف طرف کی جمع ہے، اور طرف سے مراد ہے حدیث کا ابتدائی ٹکڑا، جس کے ذریعے سے بقیہ حدیث معلوم کی جاسکتی ہے۔

اطراف حدیث کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جس میں مؤلف نے ہر حدیث کے ابتدائی حصہ کو بیان کردیا ہو (جو حدیث کے بقیہ حصے پر دلالت کرتا ہے) پھر ہر متن کی اسانید مجموعی

طور پر یا مخصوص کتب کے حوالے سے بیان کی جاتی ہیں۔

مشہور اطراف:

۱- أطراف الصحيحين: لأبى سعود ابراهيم بن محمد الدمشقى (۴۰۱ھ)

۲- أطراف الصحيحين: لأبى محمد خلف بن محمد الواسطى (۴۰۱ھ)

۳- الأشراف على معرفة الأطراف (أطراف السنن الأربعة): للحافظ إبن القاسم على بن الحسن المشهور بابن العساكر الدمشقى (۵۷۱ھ)

۴- تحفة الأشراف لمعرفة الأطراف (اطراف الكتب الستّة: للحافظ ابن الحجاج يوسف بن عبدالرحمن المزى (۷۴۲ھ)

۵- اتحاف المهرة باطراف العشرة: حافظ ابن حجر عسقلانى (۸۵۲ھ) اس کتاب میں (۱)مؤطا مالک، (۲)مسند شافعى، (۳)مسند احمد، (۴)سنن دارمى، (۵)صحيح ابن خزيمه، (۶)منتقى ابن الجارود، (۷)صحيح ابن حبان، (۸)مستدرک حاکم، (۹)مستخرج ابى عوانه، (۱۰)شرح معانى الآثار للطحاوى، اور (۱۱)سنن دار قطنى، شامل ہیں۔

ابن خزیمہ کی نامکمل کتاب کی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے سنن دار قطنی کا اضافہ کردیا اور گیارہ کتابوں کا انڈکس مرتب کردیا۔

۱۵- کتب التخریج

هى الكتب التى جمعها مؤلفوها لتخريج الأحاديث الواقعة فى بعض المصنّفات الأخرىٰ ويذكر مصادرها الأصلية التى أخرجته بسنده، ربمّا يشير إلى مرتبة قوّة وضعف، وهذه الكتب تتنوع بتنوع موضوع الكتب التى تخرج

أحاديثها.

''کتب التخریج حدیث کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے، جن میں مؤلف نے بعض دوسری کتابوں میں واقع احادیث کی تخریج کی ہو اور ان احادیث کے اصل مصادر کو بیان کیا ہو جن کی تخریج اپنی سند سے کی ہے۔ بسا اوقات مؤلف حدیث کے ضعف اور قوت کے اعتبار سے اس کے مرتبے کو بھی بیان کر دیتا ہے۔ جن کتابوں کی احادیث کی تخریج کی جاتی ہے ان کتابوں کے موضوع کے اعتبار سے تخریج کی کتابیں بھی مختلف اقسام پر مشتمل ہوتی ہیں۔''

مشہور کتابیں:

۱- تخریج أحادیث 'المهذب لأبی إسحق الشیرازی: لمحمد بن موسیٰ الحازمی (۵۸۴ھ)

۲- تخریج أحادیث 'المختصر الکبیر لابن حاجب': لمحمد بن أحمد عبدالهادی المقدسی (۷۴۴ھ)

۳- نصب الرایة لأحادیث' الهدایة للمرغیصانی' : لعبد اللّٰه بن یوسف الزیلعی الحنفی (۷۶۳ھ)

۴- تخریج أحادیث 'الکشّاف للزمخشری' للزیلعی

۵- البدر المنیر فی تخریج الأحادیث و الآثار الواقعة فی 'الشرح الکبیر للرافعی' : لعمر بن علی بن الملقن (۸۰۴ھ)

۶- التخلیص الخبیر فی تخریج أحادیث 'شرح الوجیز للرافعی' : لابن حجر عسقلانی (۸۵۳ھ)

۷- تخریج الأحادیث التی یشیر إلیها الترمذی فی کل باب: للحافظ عبدالرحیم بن الحسین العراقی (۸۰۶ھ)

١٦-شروح حديثية

اعتنى العلماء اعتناءاً بالغاً بشرح الكتب الحديثيةِ ممّا كانت مصدراً خصباً من مصادرِ المباحث الإسلاميةِ ومصدراً لتخريج الأحاديث وكان بها النفع العميم.

''علماء کرام نے حدیث کی کتابوں کی تشریح کا بہت زیادہ اہتمام فرمایا ہے، وہ شروحات اسلامی ریسرچ وتحقیق کا بہت اہم ماخذ رہی ہیں اور تخریج احادیث کا اہم مصدر رہی ہیں اور ان کا نفع وفائدہ بھی عام رہا ہے۔''

مشہور کتابیں:

١- فتح الباری شرح صحیح البخاری: للحافظ ابن حجر عسقلانی (٨٥٣ھ)

٢- عمدة القاری شرح صحیح البخاری: لقاضی القضاة بدرالدین العینی (٨٥٥ھ)

٣- إرشاد الساری إلی صحیح البخاری: للقسطلانی (٩٢٣ھ)

٤- فیض الباری علی صحیح البخاری: لمحمد أنور شاه الكشميري (١٣٥٢ھ)

٥- شرح مسلم: للحافظ محي الدين أبي زکریا یحییٰ بن شرف النووی (٦٧٦ھ)

٦- تنویر الحوالک شرح مؤطا الامام مالک: للسیوطی (٩١١ھ)

٧- فتح الملهم علی صحیح مسلم: لشبير أحمد العثمانی الديوبندی.

١٧-زوائد

زوائد حدیث کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن میں حدیث کی مخصوص کتابوں کی زائد احادیث نقل کی جاتی ہیں۔ مثلاً: صحاح ستہ کی مشترک احادیث کو چھوڑ کر ان کی زائد احادیث جمع کرلی جائیں تو وہ زوائد کہلائیں گی، اس میں اصل دار ومدار اختلافِ صحابی پر ہوتا ہے۔

صرف الفاظ کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا۔

مشہور زوائد:

۱۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: حافظ نور الدين ابو الحسن على بن أبى بكر الهيثمى (۸۰۷ھ) اس کتاب میں مسند احمد، مسند البزار، مسند ابی یعلی الموصلی اور طبرانی کی معاجم ثلاثہ کے زوائد صحاح ستہ پر جمع کیے گئے ہیں۔

۲۔ موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان: حافظ هيثمى

۳۔ بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: حافظ هيثمى

۴۔ مصباح الزجاجة فى زوائد ابن ماجه على الكتب الخمسة: حافظ شهاب الدين البوصيرى (۸۴۰ھ)

۵۔ زوائد الأدب المفرد للبخارى على الكتبِ الستة: حافظ ابن حجر.

۶۔ المطالب العالية فى زوائد المسانيد الثمانية على الكتب الستّة ومسند احمد: حافظ ابن حجر

اس کتاب میں حافظ ابن حجر نے ان آٹھ مسانید کے زوائد جمع کیے ہیں: مسند ابن ابى عمر العدنى، مسند ابى بكر الحميدى ، مسند مسدد بن مسرهد، مسند أبى داؤد الطيالسى، مسند ابن منيع،مسند ابن ابى شيبة، مسند عبد بن حميد، مسند احمد

۷۔ فوائد المنتقى لزوائد البيهقى فى السنن الكبرى على الكتب الستّة: حافظ البوصيرى

۸۔ اتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: حافظ البوصيرى.

محدثین کے یہاں القاب

محدثین کے یہاں علمِ حدیث میں مشغول افراد کو ان کے مرتبے کے اعتبار سے درج ذیل القاب سے جانا جاتا ہے:

(۱) طالب:

جو شخص حدیث اور علومِ حدیث کو سیکھنے میں دلچسپی رکھتا ہو وہ طالب کہلاتا ہے۔

(۲) راوی:

جو شخص حدیث کو پڑھنے یا سننے کے بعد بیان کردے وہ راوی کہلاتا ہے۔

(۳) محدّث:

مختلف لوگوں نے محدث کی مختلف تعریفات کی ہیں۔

پہلی تعریف یہ ہے کہ جو شخص حدیث کے طریقوں، رواۃ کی عدالت وثقاہت اور سند وغیرہ سے واقف ہو، وہ محدّث کہلاتا ہے۔

دوسری تعریف یہ ہے کہ محدث وہ ہے، جو حدیث میں مشغول ہو اور صرف روایت نہیں بلکہ درایت سے بھی واقف ہو (یعنی حدیث کو پہچان بھی لیتا ہو)

کچھ لوگوں کے نزدیک محدث وہ ہے، جس نے صحاح ستہ اور مسند احمد، سنن بیہقی، معجم طبرانی وغیرہ کتابوں کو بھی پڑھا یا سنا اور سمجھا ہو۔ (۱)

(۴) حجۃ:

مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں حجت اس شخص کو کہتے ہیں جس کی حدیث کے

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے قواعد فی علوم الحدیث، للشیخ التھانوی، تحقیق الشیخ عبدالفتاح أبو غدہ، ص ۲۷، اور الباعث الحثیث للحافظ ابنِ کثیر

بارے میں بات اس کے ساتھیوں کے درمیان حجت ہو اور وہ سب اس کی بات کا انکار نہ کرتے ہوں۔ (۱) اور ابن المطری نے کشاف اصطلاحات الفنون میں ان الفاظ سے تعریف کی ہے کہ جس کے پاس کم سے کم تین لاکھ احادیث کا علم مع متون و اسانید ہو تو اس کی بات حجت سمجھی جائے گی۔

(۵) حاکم:

یہ لقب اس محدث کے لیے ہے، جس کا علمِ حدیث، متن و سند، جرح وتعدیل کے ساتھ تمام ذخیرۂ احادیث پر محیط ہو اور بہت کم اس کے علم سے باہر ہو۔ (۲)

(۶) حافظ:

اس لقب کا مستحق وہ محدث ہوتا ہے جو احادیثِ رسول اللہ ﷺ کو سمجھتا ہو، ان کے طرق و اسانید کو جانتا ہو، اہلِ علم کے بتائے ہوئے قوانین و اصطلاحات سے پوری طرح واقف ہو۔

حافظ ابنِ حجر نے حافظ کہلانے کے لیے چند شروط بتائی ہیں:

۱- وہ شخص شیوخ سے براہِ راست علم حاصل کرنے کے بارے میں مشہور ہو اس کا علم محض کتابی نہیں ہو۔

۲- راویوں کے طبقات اور مراتب کا عالم ہو۔

۳- جرح وتعدیل کا علم رکھتا ہو، صحیح اور ضعیف میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، یہاں تک کہ اس کی حفظ کردہ احادیث کی تعداد ان احادیث سے زیادہ ہو جو اسے یاد نہ ہوں اور ایک بڑی تعداد میں متون اسے ازبر ہوں۔ (۳)

چند معروف حفاظِ حدیث:

۱- امام احمد بن حنبل جنھیں دس لاکھ احادیث زبانی یاد تھیں۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے قواعد فی علوم الحدیث ص ۲۸، ۲۹

(۲) تفصیل کے لیے دیکھئے قواعد فی علوم الحدیث ص ۳۰

(۳) تفصیل کے لیے تحبة الفکر اور التقریب للسیوطی دیکھیں

۲- امام یحیٰ بن معین جنھوں نے دس لاکھ احادیث اپنے ہاتھ سے تحریر کیں۔

۳- امام بخاری

۴- امام مسلم

۵- امام ابوزرعہ الرازی

۷- امیر المؤمنین فی الحدیث:

حدیث کے راویوں کے القاب میں یہ لقب سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے علمِ حدیث میں حفظ، اتقان، اور اتنی گہرائی حاصل کرلی ہو کہ وہ علمِ حدیث اور اس کی علتوں کے بارے میں تمام طرح کے علماء پر سبقت لے گیا ہو اور حافظ و حاکم جیسے حضرات بھی اس کی طرف رجوع کرتے ہوں۔

امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب ان محدثین کرام کو حاصل ہے:

سفیان ثوریؒ، شعبہ بن الحجاجؒ، حماد بن سلمہؒ، عبداللہ بن المبارکؒ، احمد بن حنبلؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ۔

متاخرین میں حافظ ابن حجر عسقلانی بھی اس لقب سے معروف ہیں، تاہم عمومی طور پر اس لقب کا اطلاق صرف امام بخاری پر کیا جاتا ہے، دورِ حاضر میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب رحمہ اللہ تھے۔

■❖■

حدیث کے درجات

صحیح

صحیح اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا راوی عادل ہو، تام الضبط ہو، متصل السند ہو اور روایت میں کوئی علت یا شذوذ نہ ہو۔

عادل:

راوی کے عادل ہونے کے لیے ان پانچ امور کا ہونا ضروری ہے:

(۱) اسلام (۲) بلوغت (۳) عقل

(۴) تقویٰ (۵) شرافت واخلاق

تام الضبط:

ضبط کا لغوی معنی ہے چمٹنا، روکنا، تام الضبط سے مراد یہ ہے کہ راوی حدیثوں کی روایت میں غلطی نہ کرتا ہو، لیکن اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی مرویات میں غلطی نہ کرتا ہو۔ بلکہ غلطی کا امکان ہو بھی سکتا ہے۔

متصل السند:

متصل السند سے مراد یہ ہے کہ روایت ارسال اور انقطاع سے پاک ہو۔

غیر معلل:

غیر معلل سے مراد یہ ہے کہ روایت میں ایسی کوئی علت قادحہ یا مخفی علت نہ ہو جس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔

غیر شذوذ:

غیر شذوذ سے مراد یہ ہے کہ روایت شاذ نہ ہو یعنی اس کا راوی ایسا نہ ہو جو اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرتا ہو۔

اگر یہ پانچ شرائط کسی روایت میں موجود ہیں تو وہ صحیح روایت کہلائے گی۔

(الباعث الحثیث، ص:۲۱)

صحیح کی اقسام

صحیح کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صحیح لذاته (۲) صحیح لغیره

صحیح لذاته:

صحیح لذاته سے مراد وہ حدیث ہے جس میں متن اور سند کے اعتبار سے صحیح کی تمام شرائط موجود ہوں یعنی راوی عادل ہو، ضابط ہو، متصل السند ہو اور روایت میں کوئی علت یا شذوذ نہ ہو۔

صحیح لغیره:

صحیح لغیره سے مراد وہ حدیث ہے جس میں متن اور سند کے اعتبار سے صحیح کی تمام شرائط پوری نہ ہوتی ہوں، لیکن کسی دوسری روایت سے اس کی تائید ہو رہی ہو تو وہ صحیح لغیرہ کہلاتی ہے۔

نوٹ:

(۱) حدیث صحیح کو کبھی ''صحیح غریب'' بھی کہا جاتا ہے جبکہ حدیث صحیح کی تمام شرائط تو پوری ہوتی ہوں لیکن روایت تنہا ہو یعنی کسی دوسری روایت سے اس کی تائید نہ ہوتی ہو۔

(۲) اسی طرح کبھی صحیح حدیث شاذ بھی ہو جاتی ہے جبکہ حدیث صحیح کی تمام شرائط موجود ہوں لیکن سند یا متن میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کر رہا ہو، محدثین اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

هذا حديث صحيح لكن فيه شذوذ.

(۳) اور کبھی حدیث صحیح معلول بھی کہلاتی ہے جبکہ حدیث صحیح کی تمام شرائط موجود ہوں مگر کسی ثقہ راوی نے غلطی سے ایک ثقہ راوی کی جگہ کسی دوسرے ثقہ راوی کا نام رکھ دیا ہو، محدثین اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

هذا حديث صحيح لكنّه معلول.

أصح الأسانيد

أصح الأسانيد سے مراد وہ اسانید ہیں جو اپنے راویوں کے رتبے کے لحاظ سے برتر ہیں اس کو أجود الأسانید اور أرجع الأسانید بھی کہا جاتا ہے۔

(۱) أصح الأسانيد عن أبي بكر:

اسماعیل بن أبي خالد عن قیس بن ابی حازم

(۲) أصح الأسانيد عن عمر:

(الف) الزهرى عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباسٍ عن عمر

(ب) والزهرى عن السائب بن يزيد عن عمر.

(۳) أصح الأسانيد عن علي:

(الف) محمد بن سيرين عن عبيدة - بفتحِ العين - السلمانى عن على

(ب) والزهرى عن على بن الحسين عن أبيه عن على

(ج) وجعفر بن محمد بن على بن الحسين عن أبيه عن جدّه عن على

(د) ويحيىٰ بن سعيد القطان عن سفيان الثورى عن سليمان. وهو الأعمش، عن ابراهيم التيمى عن الحارث بن سويد عن على.

(۴) أصح الأسانيد عن عائشة:

(الف) هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة

(ب) وافلح بن حميد عن القاسم عن عائشة

(ج) وسفيان الثورى عن ابراهيم عن الاسود عن عائشة

(د) وعبدالرحمن بن القاسم عن أبيه عن عائشة۔

(ہ) ويحى بن سعيد عن عبيدالله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب عن عائشة

(و) والزهرى عن عروة بن الزبير عن عائشة۔

(۵)أصح الأسانيد عن سعد بن أبى وقّاص:

على بن الحسين بن على عن سعيد بن المسيب عن سعد بن أبى وقاص

(٦)أصح الأسانيد عن ابن مسعود:

(الف) الأعمش عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود

(ب) وسفيان الثورى عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود

(٧)أصح الأسانيد عن ابن عمر:

(الف) مالك بن نافع عن ابن عمر

(ب) الزهرى عن سالم عن أبيه ابن عمر

(ج) وايوب عن نافع عن ابن عمر

(د) ويحىٰ بن سعيد القطان عن عبيدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر

(٨)أصح الأسانيد عن أبى هريرة:

(الف) يحيىٰ بن أبى كثير عن أبى سلمة عن أبى هريرة

(ب) والزهرى عن سعيد بن المسيب عن أبى هريرة

(ج) ومالك عن أبى الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة

(د) وحماد بن زيد عن أيوب عن محمد ابن سيرين عن ابى هريرة

(ہ) واسماعيل بن أبى حكيم عن عبيدة – بفتحِ العين– بن سفيان الحضرمى عن أبى هريرة.

(و) و معمر عن همام عن أبى هريرة

(۹)أصح الأسانيد عن أم سلمة:

شعبة عن قتاده عن سعيد عن عامر أخى أم سلمة عن أم سلمة

(۱۰)أصح الأسانيد عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص:

عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه

(وفى هذا الإسناد خلاف معروف، والحق أنه من أصحّ الأسانيد)

(۱۱)أصح الأسانيد عن أبى موسیٰ الاشعرى:

شعبة عن عمرو بن مرة عن أبيه عن أبى موسیٰ الاشعرى

(۱۲)أصح الأسانيد عن انس بن مالک:

(الف) مالك عن الزهرى عن أنس

(ب) سفيان ابن عيينة عن الزهرى عن انس

(ج) ومعمر عن الزهرى عن أنس

(د) وحماد بن زيد عن ثابت عن أنس

(ہ) وحماد بن سلمه عن ثابت عن أنس

(و) وشعبة عن قتاده عن أنس

(ز) وهشام الدستوائى عن قتادة عن أنس

نوٹ:

سفیان بن عیینہ اور معمر والی سند کا اضافہ احمد محمد شاکر نے کتاب **الباعث الحثيث** کے حاشیہ میں کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ سفیان بن عیینہ اور معمر ضبط و اتقان میں مالک سے کم نہیں ہیں۔

(۱۳)أصح الأسانيد عن ابن عباس:

الزهری عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبه عن ابنِ عباس

(۱۴)أصح الأسانيد عن جابر بن عبدالله:

سفيان ابن عيينه عن عمر بن دينار عن جابر

(۱۵)أصح الأسانيد عن عقبة بن عامر:

الليث بن سعد عن يزيد بن أبی حبيب عن أبی الخير عن عقبة بن عامر

(۱۶)أصح الأسانيد عن بريدة:

الحسين بن واقد عن عبدالله بن بريدة عن أبيه بريدة

(۱۷)أصح الأسانيد عن أبی ذرّ:

سعيد بن عبدالعزيز عن ربيعة بن يزيد عن أبی ادريس الخولانی عن أبی ذر۔ (الباعث الحثيث، ص:۱۸تا۲۰)

حدیث کے درجات

(۱) پہلے نمبر کی حدیث وہ ہے، جو صحیحین میں موجود ہو۔

(۲) دوسرے نمبر کی حدیث وہ ہے، جو صرف صحیح بخاری میں موجود ہو۔

(۳) تیسرے درجے کی حدیث وہ ہے جو صرف صحیح مسلم میں موجود ہو۔

(۴) چوتھے نمبر کی حدیث وہ ہے جو اگر چہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود نہ ہو مگر ان دونوں کتابوں کی شرط کے مطابق ہو۔

(۵) پانچویں نمبر کی حدیث وہ ہے جو اگر چہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود نہ ہو مگر امام بخاریؒ کی شرط کے مطابق ہو۔

(۶) چھٹے نمبر کی حدیث وہ ہے جو اگر چہ صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں موجود نہ ہو مگر امام مسلمؒ کی شرط کے مطابق ہو۔

(۷) ساتویں نمبر کی حدیث وہ ہے جو صحیحین کی شرط کے مطابق تو نہیں مگر دوسرے ائمہ حدیث کی شرط کے مطابق ہو۔

سب سے پہلے کس نے صحیح احادیث کو جمع کیا

سب سے پہلے ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا، جس کا محرک ان کے استاد کی خواہش اور ان کا خواب تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے محرکات بیان کیے جاتے ہیں چنانچہ ان کی کتاب صحیح بخاری کا موضوع یہی ہے کہ صحیح احادیث کو جمع کیا جائے۔ ۱۳/شوال ۱۹۴ھ میں ان کی پیدائش ہوئی اور یکم شوال ۲۵۶ھ میں ۶۲ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔

دوسرے نمبر پر امام بخاریؒ کے شاگرد ابوالحسین مسلمؒ بن الحجاج نیساپوری نے صحیح احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام کیا۔

لیکن دونوں کتابوں میں صحیح بخاری کو ترجیح دی جاتی ہے اور اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے احادیث کو لینے کی جو شرط لگائی ہے، وہ امام مسلمؒ کی شرط کے مقابلے میں زیادہ کڑی ہے۔

امام بخاریؒ کی شرط یہ ہے کہ راوی کا مروی عنہ سے صرف معاصرت ہی نہیں بلکہ سماع بھی ضروری ہے جبکہ امام مسلمؒ کے یہاں صرف معاصرت کافی ہے۔(۱)

دوسری وجہ ترجیح یہ ہے کہ صحیح بخاری میں بہت کم روایات ایسی ہیں، جن پر محدثین نے کلام کیا ہے، یعنی ان کو موضوع یا ضعیف کہا لیکن ان روایات کے موضوع یا ضعیف ہونے کا ثبوت فراہم نہ کر سکے۔ اس کے برعکس صحیح مسلم میں صحیح بخاری کے مقابلے میں ایسی روایات کی تعداد زیادہ ہے جن پر محدثین نے کلام کیا ہے۔ (۲)

علماء نیساپور نے حسنِ ترتیب کے لحاظ سے صحیح مسلم کو ترجیح دی ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث ،ص ۲۵

(۲) مزید وجوہ ترجیح کے لیے مقدمہ دیکھیں اس کتاب کا جو جامعۃ الصالحات نے بخاری کی احادیث کا مجموعہ تیار کرایا ہے۔ ص: ۲۱-۲۲، طوالت کی وجہ سے قلم زد کر دیا ہے۔

لیکن ان دونوں کتابوں کا آپس میں کوئی مقابلہ نہیں۔ امام بخاریؒ کی نظر تمام چیزوں پر تھی امام مسلمؒ ان کے شاگرد تھے اور ان کی حیثیت امام بخاریؒ کے سامنے طفلِ مکتب کی ہے۔

لیکن امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ انھوں نے تمام صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے، بلکہ ایسی بھی کئی کتابیں ہیں، جن میں وہ صحیح احادیث جمع کی گئی ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں نہیں ہیں جیسا کہ حاکم نیساپوری نے اپنی کتاب مستدرک میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی چھوٹی ہوئی روایات نقل کرنے کا التزام کیا ہے۔ اس طرح امام ترمذی نے بھی اپنی کتاب جامع ترمذی میں چھوٹی ہوئی روایات جمع کرنے کا التزام کیا ہے اس لیے جامع ترمذی میں ایسی بہت سے صحیح روایات ہیں جو صحیحین میں نہیں ہیں۔

صحیحین کی تعداد

صحیح بخاری کی روایات کی تعداد:

ابنِ صلاح اپنے مقدمے میں فرماتے ہیں: ''بخاری کے اندر تمام مکرر احادیث کی تعداد ۷۲۷۵ ہے۔ اور بغیر مکرر احادیث کی تعداد تقریباً چار ہزار ۴۰۰۰ ہے۔''

علامہ ابن حجرؒ نے فتح الباری کے مقدمے میں لکھا ہے: ''بخاری کے اندر بغیر تکرار کے احادیث مرفوع کی تعداد ۲۶۰۲ ہے، تعلیقات ۱۵۹ ہیں، اس طرح بغیر مکرر کی کل تعداد ۲۷۶۱ ہوئی اور مکرر روایات کی تعداد تعلیقات، متابعات اور اختلاف روایات سمیت ۹۰۸۲ ہے، اس کے علاوہ صحابہؓ کے موقوف اور تابعین کے اقوال بھی ہیں، جو اس سے علیحدہ ہیں۔ (۱)

الگ الگ تعداد بتانے کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے ساری چیزوں کو شامل کرکے تعداد بتائی ان کی تعداد زیادہ ہے اور جن لوگوں نے صحابہ کے موقوف اور تابعین کے اقول کو شامل نہیں کیا ان کے یہاں تعداد کم ہے۔

صحیح مسلم کی روایات کی تعداد:

ابنِ صلاح نے اپنے مقدمے میں صحیح مسلم میں بلاتکرار احادیث کی تعداد چار ہزار

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں فتح الباری کا مقدمہ

(۴۰۰۰) بتائی ہے اور مکرر احادیث کی کل تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ہے۔

صحیحین میں مکرر احادیث لانے کا سبب

صحیح بخاری میں مکررات کا سبب یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں مختلف ترجمۃ الباب قائم کر کے ایک حدیث کو جگہ جگہ نقل کیا ہے اور ہر ترجمۃ الباب میں ایک الگ بات ثابت کی ہے۔ لیکن جب وہ ایک حدیث کو دوسری جگہ بیان کرتے ہیں تو سند الگ ہو جاتی ہے۔ (۱)

صحیح مسلم میں تکرار کا سبب یہ ہے کہ امام مسلمؒ ایک روایت کو مختلف طریق سے نقل کرتے ہیں اور ایک حدیث کی تمام اسناد بیان کر دیتے ہیں۔

صحیحین پر اضافے

حافظ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب بن الاخرم فرماتے ہیں:

''بہت کم امام بخاری اور امام مسلم سے صحیح روایات چھوٹی ہیں۔''

اور حافظ ابوعبداللہ محمد بن یعقوب اخرم کے شاگرد حاکم ابوعبداللہ نے اپنی کتاب ''مستدرک علی الصحیحین'' میں بخاری اور مسلم کی چھوٹی ہوئی احادیث کو جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔

تو ان کی یہ بات قابلِ مناقشہ ہے کیونکہ استدراک کا معنی ہے تلافی کرنا اور صحیحین پر استدراک اس وقت صحیح مانا جاتا جبکہ امام بخاری یا امام مسلم نے تمام صحیح احادیث کو جمع کرنے کا دعویٰ کیا ہوتا، لیکن جب ان دونوں ائمہ نے ایسا دعویٰ ہی نہیں کیا تو استدراک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ حاکم نے اپنی کتاب میں بہت سی ضعیف روایات بھی نقل کر دی ہیں اس لیے وہ مؤطا وغیرہ کی نہج کی ہوگئی ہے، جو صحیحین سے پہلے لکھی گئی تھیں جبکہ صحیحین میں صرف صحیح احادیث ہیں تو حاکم کا صحیحین پر استدراک کا دعویٰ بھی غلط ثابت ہوگیا۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں فتح الباری کا مقدمہ

اور تیسری بات یہ کہ امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین کی تالیف کے وقت اپنے اوپر یہ بات لازم بھی نہیں کی تھی کہ وہ ساری صحیح احادیث جمع کرنے کا التزام کریں گے بلکہ اگر انھوں نے اپنے اوپر کچھ لازم کیا تھا تو صرف اتنا تھا کہ وہ صحیح احادیث کو جمع کرنے کا التزام کریں گے۔ جبکہ استدراک کسی کے خلاف اس وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ دوسرا اپنے اوپر کچھ لازم کرتا اور جب انھوں نے اپنے اوپر یہ چیز لازم ہی نہیں کی تو استدراک کا دعویٰ بھی غلط ہے۔

اگرچہ صحیحین پر اضافے دوسرے لوگوں نے بھی کیے ہیں۔ سنن ترمذی، معجم طبرانی، صحیح ابی عوانہ اور صحیح ابی بکر اسماعیلی وغیرہ نے بھی اپنی کتابوں میں صحیحین کی چھوٹی ہوئی صحیح احادیث نقل کی ہیں لیکن استدراک کا دعویٰ کسی نے بھی نہ کیا۔

تو پتہ چلا کہ صحیحین پر استدراک کا دعویٰ غلط ہے بلکہ چھوٹا منہ بڑی بات ثابت ہوا ہے۔

مؤطا امام مالک کا تعارف

مؤطا امام مالکؒ کے بارے میں امام شافعیؒ کا قول ہے:

لا اعلم کتابا فی ھذا العلم اکثر ثواباً من کتاب مالك.

(الباعث الحثیث، ص:۲۵)

''علمِ حدیث میں اس سے اچھی کتاب مجھے نہیں معلوم۔''

امام شافعیؒ کے اس قول کو پڑھ کر آدمی یہی سمجھ سکتا ہے کہ علمِ حدیث میں یہ کتاب سب سے اہم ہے لیکن انھوں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جبکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم منظر عام پر نہیں آئی تھیں حالانکہ ابن جریج، ابن اسحاق اور عبدالرزاق بن ہمام وغیرہ کی اہم تالیفات موجود تھیں۔ تو ان تمام کتابوں کے سامنے مؤطا امام مالک ہر اعتبار سے اچھی ہے حالانکہ بعض کتابیں حجم اور احادیث کی کثرت کے اعتبار سے بڑھی ہوئی ہیں لیکن نفع کے اعتبار سے مؤطا امام مالک بڑھی ہوئی ہے۔

عباسی خلیفہ منصور نے تو امام مالکؒ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ اگر آپ کی رائے ہو تو میں تمام لوگوں کو اسی کتاب کے پڑھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کا پابند بنا دوں تو امام مالکؒ

نے منع فرمادیا اور فرمایا:

إن الناس قد جمعوا واطلعوا على أشياء لم نطلع عليها۔

(الباعث الحثيث، ص:۲۵)

''لوگوں نے حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ایسی احادیث سے واقف ہیں جن سے ہم واقف نہیں۔''

مؤطا پر صحیح کا اطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں

مؤطا امام مالک کی شرح میں علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ ''صحیح بات یہ ہے کہ مؤطا پر صحیح کا اطلاق ہوسکتا ہے۔'' مؤطا میں تمام مرفوع روایات جن کی سند اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچتی ہے صحیح کے درجے کی ہیں اور اقوالِ صحابہ، آثار اور فقہی آراء کا درجہ صحیح روایات سے کم ہے۔

کتاب کی صحت واہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کتنے لوگوں نے شروح اور تعلیقات تحریر کی ہیں، اس سلسلے میں سب سے اچھی تعلیق شیخ ابوعمر بن عبدالبرنمری قرطبیؒ نے تحریر کی، ان میں ایک کا نام ''تمہید'' اور دوسری کا نام ''استذکار'' ہے۔ شیخ ابوعمر بن عبدالبرنمری قرطبیؒ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں۔ امام مالکؒ نے ان کے سامنے اپنی کتاب مؤطا کو پڑھا ہے۔ حالانکہ دوسرے تمام شاگردوں کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ شاگرد پڑھتے تھے اور امام مالکؒ سنتے تھے۔

ترمذی اور نسائی پر صحیح کا اطلاق

حاکم ابوعبداللہ اور خطیب بغدادی نے ترمذی کو 'جامع صحیح' کہا ہے۔

اور اسی طرح نسائی کے سلسلے میں بھی حافظ ابی علی بن سکنؒ اور خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ یہ 'صحیح' ہے مزید فرماتے ہیں کہ راویوں کے سلسلے میں سنن نسائی کی شرط مسلم سے بھی زیادہ کڑی ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب 'اختصار علوم الحدیث' میں ان اقوال پر ریمارک کیا ہے کہ

ترمذی کے سلسلے میں یہ حاکم اور خطیب بغدادی کا تساہل اور بھول ہے کہ ترمذی 'جامع صحیح' ہے۔ کیونکہ اس میں بہت ساری منکر روایات بھی ہیں۔ اسی طرح نسائی کو بھی خطیب بغدادی اور حافظ ابن علی بن سکن کا ''صحیح'' کہنا نا قابلِ قبول ہے کیونکہ اس میں بھی بہت سی ضعیف معلل اور منکر روایات موجود ہیں۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ راویوں کے سلسلے میں نسائی کی شرط مسلم سے زیادہ کڑی ہے کیونکہ نسائی میں بہت سے راوی مجہول اور مجروح ہیں۔

حافظ ابن کثیر کے اس ریمارک کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب کی تالیف کے وقت اپنے اوپر یہ لازم کیا تھا کہ وہ اپنی کتاب میں وہ روایت نقل کریں گے جو کسی دوسرے نے نقل نہ کی ہو۔ تو اگر انھیں کوئی صحیح روایت نہ ملی بلکہ منکر ملی تو اسی کو نقل کر کے یہ بتا دیا ہے کہ یہ روایت منکر ہے اور دوسرے طریق سے اسی مضمون کی صحیح روایت موجود ہے۔ اور اگر روایت میں کوئی اضطراب ہے تو اس اضطراب کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ تو یہ کام تو امام ترمذیؒ نے خود کر دیا اس لیے ان کی کتاب صحاح میں شامل ہے۔

اور سنن نسائی کے سلسلے میں بھی پوری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ کتاب صحیح ہے، اس کی روایات نہ ضعیف ہیں نہ منکر ہیں اور نہ معلل اور اگر کہیں ایسی کوئی روایت آئی ہے تو اس کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے اور یہ بات بھی بالکل صحیح ہے کہ نسائی میں مسلم سے زیادہ کڑی شرط ہے۔ اور تراجم کے سلسلے میں بھی بخاری کے بعد نسائی کا ہی درجہ ہے۔ مسلم کے مقابلے میں نسائی کے تراجم کی اہمیت ہے کیونکہ صحیح مسلم میں تراجم حدیث کا ہی ٹکڑا ہیں اور تراجم امام مسلم کے شاگردوں کے تحریر کردہ ہیں۔

تو پتہ چلا کہ امام نسائیؒ بھی علمِ حدیث کے فن کے امام تھے اور ان کی کتاب سنن نسائی بھی صحاح میں شامل ہے۔

مسند احمد

حافظ ابو موسیٰ محمد بن ابو بکر المدینی مسند احمد کے بارے میں فرماتے ہیں: ''انہ صحیح.''
حافظ ابن کثیرؒ نے اپنی کتاب ''اختصار علومِ الحدیث'' میں اس پر ریمارک کیا ہے کہ

"هذا قولٌ ضعيفٌ."

اور علّت یہ بتاتے ہیں کہ اس میں بہت سی ضعیف بلکہ موضوع روایات ہیں جیسے ''مرو'' اور ''عسقلان'' کے فضائل کی احادیث، یا "البرث الأحمر عند حمص" والی حدیث۔

عراقی ابن صلاح کی کتاب کی تشریح میں اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ مسند احمد میں کچھ موضوع بلکہ ضعیف روایات ہیں اور امام احمدؒ نے خود ان کی تضعیف کردی ہے جیسے حدیث انسؓ:

عسقلان أحد العروسين، يبعث منها يوم القيامة سبعون ألفاً لاحساب عليهم.

اسی طرح اس میں کچھ منکر روایات بھی ہیں جیسے حدیث بریدۃ:

كونوا فی بعث خراسان ثم انزلوا مدينة مرو، فإنه بناها ذوالقرنين الخ.

اور حافظ ابن حجرؒ نے "القول المسدد فی الذبّ عن مسند الامام احمد" نام کا ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ان لوگوں کی تردید کی ہے جو کہتے ہیں کہ مسند احمد میں موضوع روایات ہیں۔

اور علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "التوسل والوسلية" میں بہت عمدہ لکھا ہے کہ ''اگر موضوع روایت سے مراد یہ ہے کہ سند کا راوی جھوٹا ہے تو مسند احمد میں ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن اگر اس سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نہیں فرمایا بلکہ راوی کے حافظے نے کام نہ کیا اور اس نے غلط بات کہہ دی تو مسند احمد اور سنن میں اس طرح کی بہت ساری روایات ہیں اور البرث الاحمر والی روایت کہ:

يبعث الله منها سبعين ألفاً لا حساب عليهم ولا عذاب، فيما بين البرث الاحمر وبين كذا." بھی اسی درجہ کی ہے۔

ابن اثیر اپنی کتاب ''النہایۃ'' میں برث کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''البرث'' نرم زمین کو کہتے ہیں، اس کی جمع ''براث'' ہے اور اس سے مراد وہ زمین ہے

جو حمص سے قریب ہے جہاں شہداء اور صالحین کی ایک جماعت شہید کردی گئی تھی۔"

دوسرا اعتراض حافظ ابن کثیر نے یہ کیا ہے کہ مسند احمد میں امام احمد بن حنبلؒ سے بہت سی صحیح روایات چھوٹ گئی ہیں حالانکہ کثرتِ احادیث اور حسنِ سیاق کے اعتبار سے اس کا کوئی مقابلہ نہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے تمام صحیح احادیث جمع کرنے کا دعویٰ ہی کب کیا ہے۔ لہٰذا ایسی بہت سی احادیث ہیں جو صحیحین میں ہیں، لیکن مسند احمد میں نہیں ہیں مثال کے طور پر حضرت عائشہؓ کی وہ روایت جس میں امّ زرع کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ (۱)

ان کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ دو سو صحابہ کرام وہ ہیں جن کی روایات صحیحین میں ہیں لیکن مسند احمد میں نہیں ہیں۔

حافظ ابنِ کثیرؒ کی اس بات میں بھی غلو ہے کیونکہ مسند احمد کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ اس میں بہت کم صحیح احادیث چھوٹی ہیں اور اگر انھوں نے کسی معین صحابی کی روایات چھوڑی ہیں تو اسی مفہوم کی روایات کسی دوسرے صحابی سے نقل بھی کی ہیں۔ تو ہوسکتا ہے کہ وہ طریق ان کے نزدیک ضعیف ہو اس لیے دوسرے طریق سے نقل کیا۔

لہٰذا جس نے بھی کہا بالکل درست کہا کہ "انھوں نے مسند کا حق ادا کردیا۔" اور امام احمدؒ اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کرتے تھے "اس مسند کی حفاظت کرنا یہ لوگوں کے لیے امام ہے۔" اور آپؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ "میں نے ۷لاکھ پچاس ہزار احادیث میں سے اس کا انتخاب کیا ہے۔"

فما اختلف فيه المسلمون من حديث رسول الله ﷺ فارجعوا اليه، فإن وجدتموه فيه، والاّ فليس بحجة.

(الباعث الحثيث، ص:۳۲)

اور حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

هذ القول منه على غالب الأمر، وإلاّ فلنا أحاديث قويّة فى الصحيحين والسنن والاجزاء ما هى فى المسند.

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں، الباعث الحثیث، ص۳۲

"یہ بات امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زیادہ تر روایتوں کو دیکھتے ہوئے فرمائی ہے ورنہ صحیحین اور سنن اور اجزا بہت سی صحیح اور مستند روایتیں ہیں جو مسند میں نہیں ہیں۔"

معلوم ہوا کہ مسند احمد پر اعتراضات غلط ہیں اس میں غلو ہے اور مسند احمد پر صحیح کا اطلاق درست ہے۔

الكتب الخمسة

کتبِ خمسہ سے مراد: بخاری، مسلم، سنن ابی داوٗد، ترمذی اور سنن نسائی ہیں۔

حافظ ابوطاہر سلفی کتب خمسہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: "ان کی صحت پر علماء مشرق ومغرب کا اتفاق ہے۔"

حافظ ابنِ کثیرؒ نے اپنی کتاب "اختصار علوم الحدیث" میں لکھا ہے کہ "یہ حافظ ابوطاہر سلفی کا تساہل (بھول) ہے کیونکہ ابنِ صلاح اور ان کے علاوہ لوگ اس بات کو نہیں مانتے۔ ابن صلاح نے فرمایا ہے کہ اس کے باوجود یہ کتب بہت سی مسانید سے بہتر ہیں۔"

عراقی حافظ ابنِ کثیرؒ کی بات کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سلفی نے یہ بات اصول کی صحت کے اعتبار سے کہی ہے جیسا کہ خطابی کے مقدمہ میں انھوں نے فرمایا ہے کہ "ابوداوٗد کی کتاب ان پانچ کتابوں میں سے ایک ہے، جس پر علماء حل وعقد اور حفاظ حدیث کا اتفاق ہے کہ وہ اصول کی صحت کے اعتبار سے صحیح ہے۔" (الباعث الحثيث، ص: ۳۳)

عراقی مزید فرماتے ہیں کہ:

ولايلزم من كونِ الشيئ له أصل صحيحٌ أن يكون هو صحيحاً. (الباعث الحثيث، ص: ۳۳، بحواله شرح العراقى)

"یعنی کسی چیز کے ضابطہ کا صحیح ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ وہ خود بھی صحیح ہو۔"

پتہ چلا کہ صحاح ستہ میں صرف صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ضعیف روایات نہیں ہیں بقیہ تمام کتابوں میں ضعیف روایات موجود ہیں البتہ اصول کی صحت کے اعتبار سے یہ کتابیں بھی صحیح ہیں۔

صحیحین پر تعلیقات

معلّق:

معلّق سے مراد وہ حدیث ہے جس کی شروع سند سے ایک یا ایک سے زیادہ راوی لگاتار حذف ہوں۔ معلّق کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پوری سند حذف کردی جائے اور قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر روایت بیان کردی جائے۔

(۲) صحابی یا پھر صحابی اور تابعی کے علاوہ پوری سند حذف کردی جائے۔

امام بخاری کے معلّقات کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "تعلیق التعلیق" میں تمام تفصیلات جمع کردی ہیں۔ بخاری میں معلّقات کی تعداد ۱۳۴۱ ہے یہ تعلیقات صرف دوسری روایات کی تائید اور استشہاد کے لیے نقل کی گئی ہیں۔ جبکہ صحیح مسلم کی معلّقات صرف ۱۴ ہیں۔ جو دوسری جگہ متصل موجود ہیں۔

صحیح بخاری کی تعلیقات کا حکم:

(۱) اگر صحیح بخاری کی تعلیق صیغۂ جزم یعنی قال، ذکر، اخبرنی، روی، جاء، عن وغیرہ سے منقول ہے تو وہ تعلیق صحیح کے حکم میں ہوتی ہے کیونکہ علماء حدیث نے اس پر غور کیا تو انھیں اس کی صحیح سند مل گئی جس کو انھوں نے مختلف کتابوں میں نقل کردیا ہے۔

(۲) اگر صحیح بخاری کی تعلیق صیغۂ تمریض یعنی قیل، ذُکر، رُوِی، یُروی، یُذکر، حُکی وغیرہ سے منقول ہے وہ صحیح کے حکم میں نہیں ہوگی بلکہ اس کا حکم سند کے مطابق صحیح حسن یا ضعیف کا ہوگا۔

نوٹ:- صیغۂ جزم کے ذریعے منقول تعلیق اگرچہ صحیح کے حکم میں ہوتی ہے لیکن اس کا درجہ صحیح روایت سے کم ہے۔

حافظ ابو جعفر بن حمدان فرماتے ہیں کہ جب امام بخاریؒ "**قال لی فلان**" کہتے ہیں تو اس وقت کہتے ہیں جبکہ وہ تعلیق ان کو عرضاً یا مناولۃً ملی ہو۔

حسن

حسن کی دو قسمیں ہیں:

(۱) حسن لذاته (۲) حسن لغیره

(۱) خطابی کی تعریف:

ما عرف مخرجه واشتهر رجاله۔ (الباعث الحثیث:۳۷)

''جس کا مصدر معلوم ہو اور اس کے رجال (راوی) مشہور ہوں۔''

(۲) علامہ سیوطیؒ کی تعریف:

هو ما اتّصل سندهُ بنقلِ عدلٍ خفیفِ الضبطِ وسَلِمَ من الشذوذ والعلّة۔ (قطوف من الأدب النبوی)

''جس کی سند کسی نیک صالح خفیف الضبط شخص کی نقل سے ملی ہو اور شذوذ اور علت سے محفوظ ہو۔''

(۳) امام ترمذی کی تعریف:

أن لا یکون فی اسناده من یتهمُ بالکذب ولا یکون حدیثا شاذاً ویروی من غیر وجه نحو ذلك.(الباعث الحثیث:۳۹)

''جس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہ ہو، حدیث شاذ نہ ہو اور کئی طریق سے مروی ہو۔''

(۴) ابوعمرو بن صلاحؒ کی تعریف:

ابوعمرو بن صلاح فرماتے ہیں:

قال بعض المتأخرین (۱):

---

(۱) عراقی اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ بعض متاخرین سے مراد ابن الجوزیؒ ہیں۔

"الحديث الذی فیه ضعف قریب محتمل، هو الحديث الحسن۔ ویصلح للعمل به۔" (الباعث الحثیث، ص:۳۹)

"جس حدیث میں تھوڑا سا ضعف ہو وہ حدیث حسن ہے اور اس پر عمل کرنا درست ہوتا ہے۔"

(۵) حافظ ابن حجرؒ کی تعریف:

خبر الآحاد بنقل عدلٍ تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ هو الصحیح لذاته۔ فإن خفّ الضبط فالحسن لذاته۔ (نخبة الفکر)

نوٹ: علامہ سیوطیؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے حدیثِ حسن کی جو تعریف کی ہے، وہی تعریف جمہور کی ہے۔

(۶) حافظ ابن کثیر کی تعریف:

أن یکون راویة مشهورینَ بالصدق والأمانة ولم یبلغ درجة الرجالِ الصحیح فی الحفظ والإتقان۔

(الباعث الحثیث: ص۴۰)

"جس حدیث کے راوی صدق و امانت میں مشہور ہوں لیکن حفظ و اتقان میں صحیح راویوں کے مرتبہ تک نہ پہنچیں۔"

تعریف کسی بھی چیز کی وہ معتبر ہوتی ہے جو جامع اور مانع ہو۔ جامع اور مانع سے مراد یہ ہے کہ اپنی تمام شکلوں پر محیط ہو اور کسی دوسری چیز کو اپنے اندر شامل نہ ہونے دے۔ چنانچہ خطابی نے حسن لذاتہ کی جو تعریف کی ہے وہ جامع اور مانع نہیں ہے۔

حافظ ابنِ حجر، علامہ سیوطیؒ اور ابن کثیر کی تعریف میں یکسانیت ہے اور یہی تعریف جمہور نے حسن لذاتہ کی کی ہے۔ جبکہ امام ترمذیؒ کی تعریف سب سے جدا ہے کیونکہ انھوں نے حفظ سے متعلق کوئی بات نہیں کی ہے بلکہ ان کے یہاں حسن لذاتہ کی شرط یہ ہے کہ راوی متہم بالکذب نہ ہو۔

موازنہ

امام ترمذی کی تعریف	جمہور کی تعریف
امام ترمذی کے یہاں حدیثِ حسن اور صحیح ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں کیونکہ ان کے یہاں حدیثِ صحیح کی طرح حدیثِ حسن میں بھی راوی تام الضبط ہوتا ہے۔ راوی کے حافظے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے بلکہ حدیثِ صحیح ان کے یہاں حسن کے درجے پر اس وقت پہنچ جاتی ہے جبکہ راوی متہم بالکذب ہو۔ امام ترمذی کا نقطۂ نظر اس سلسلے میں بالکل الگ ہے لیکن ان کی رائے کی اپنی جگہ الگ اہمیت ہے۔	جمہور کے یہاں حدیثِ حسن اور صحیح ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں کیوں کہ حدیث صحیح میں راوی کا تام الضبط ہونا ضروری ہے جبکہ حدیثِ حسن میں راوی تام الضبط نہیں ہوتا۔ لیکن جمہور کی تعریف اپنی جگہ بہت اہم جامع اور مانع ہے۔

حسن لغیرہ

تعریف:

هو الضعيف إذا تعددت طرقهُ ولم يكن سببُ ضعفه فسق الراوي أو كذبه۔ (تقريب اصطلاح المحدثين من أفهام الطالبين، ص:٣٢)

''وہ ضعیف روایت جو متعدد طریق سے مروی ہو لیکن اس کے ضعف کا سبب راوی کا فسق یا کذب نہ ہو۔''

اس تعریف سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ ضعیف روایت دو وجوہات کی بنا پر حسن لغیرہ

کے درجے تک پہنچ جاتی ہے۔

(الف): ضعیف روایت کسی دوسرے طریق سے یا متعدد طرق سے مروی ہو اور وہ دوسرا طریق اسی جیسا یا اس سے بھی زیادہ قوی ہو۔

(ب): روایت کے ضعف کا سبب یا تو راوی کا سوءِ حفظ ہو یا سند میں انقطاع ہو یا راویوں سے ناواقفیت ہو۔

ابن کثیر کی تعریف:

هو الحديث الذی لا يخلو رجال اسناده من مستورٍ ولم تتحقق أهليّته غير أنه ليس مغفّلًا كثيرَ الخطأ ولا هو متَّهمٌ بالكذب ويكون متن الحديث قد روی مثله أو نحوه من وجهٍ آخر. (الباعث الحثیث: ص۳۹)

"اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے راوی کی زندگی کے حالات مکمل طور پر معلوم نہ ہوں اور ان کی حیثیت بھی معلوم نہ ہو لیکن ہاں غائب دماغ نہ ہوں اور زیادہ غلطی کرنے والے نہ ہوں اور متہم بالکذب بھی نہ ہوں اور حدیث کا متن اسی طرح یا اسی جیسے دوسرے طریق سے مروی ہو۔"

مثل اور نحو میں فرق:

"مثل" کا لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب دو الگ الگ اسناد ہوں، لیکن حدیث کا متن ایک ہو۔

"نحو" کا لفظ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب کہ سند اور متن دونوں میں اختلاف ہو، البتہ دونوں روایات سے ایک ہی بات پتہ چلتی ہو۔

امام ترمذیؒ کا "حدیثِ حسن صحیح" کہنا

امام ترمذیؒ اپنی کتاب میں اکثر "حدیث حسن صحیح" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ان الفاظ سے امام ترمذیؒ کا کیا مقصود ہے، اس سلسلے میں علماء کی مختلف آراء ہیں:

(۱) حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث کی دو یا زیادہ اسناد ہوں تو وہاں امام ترمذیؒ کے ''حدیث حسن صحیح'' کہنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔ اور اگر اس حدیث کی صرف ایک ہی سند ہو تو اس وقت یہ مطلب ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے نزدیک یہ حدیث حسن ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک صحیح ہے۔ (**نخبة الفكر**)

(۲) علامہ سیوطیؒ بھی اسی رائے سے متفق ہیں۔

(۳) بعض لوگوں نے یہاں پر حرفِ عطف کو محذوف مانا ہے یعنی ''**حديث حسنٌ و صحيحٌ**'' مراد لیا ہے۔

(۴) علامہ ابن دقیق العید نے یہ توجیہ کی ہے کہ حسن اور صحیح کی تقسیم اعلیٰ اور ادنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ صحیح حدیث اعلیٰ ہے اور حسن ادنیٰ ہے اس لیے صحیح حدیث حسن ہوسکتی ہے لیکن معاملہ اس کے برعکس نہیں ہوسکتا۔ (**الاقتراح**)

لیکن یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس میں تباین کی نسبت ہے اور جن چیزوں میں تباین ہوتا ہے وہ ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔ اسی طرح حافظ ابنِ حجرؒ کی بات بھی قابلِ قبول نہیں ہے خواہ علامہ سیوطیؒ اس سے متفق ہوں۔

صحیح بات وہ ہے جو امام ترمذیؒ نے خود فرمائی ہے کہ ان کے یہاں حسن اور صحیح میں نسبت عموم وخصوص کی ہے، کیونکہ حسن کی تعریف میں انھوں نے بالکل علیحدہ شرط لگائی ہے کہ راوی متہم بالکذب نہ ہو اور اس میں شذوذ نہ ہو، جمہور کی طرح وہ راوی کے حافظہ کے نقصان کو حسن کے لیے شرط قرار نہیں دیتے۔ اس لیے ان کے یہاں حسن اور صحیح ایک ساتھ جمع ہوسکتی ہیں، یعنی جس روایت پر امام ترمذیؒ کی حدیثِ حسن کی تعریف صادق آرہی ہو اگر وہ ساتھ ہی تام الضبط افراد سے مروی ہو، اور اس میں کوئی علت بھی نہ ہو تو وہ ساتھ ہی صحیح بھی ہوگی اور اگر راوی تام الضبط نہ ہو یا اس کی روایت میں کوئی علت پائی جارہی ہو تو وہ صرف حسن ہوگی، صحیح نہیں۔

حدیثِ ضعیف

(۱) حافظ ابنِ کثیر اور علامہ سیوطیؒ کی تعریف:

هو ما لم يجتمع فيه صفات الصحيح ولا صفات الحسنِ المذكورة فيما تقدَّم۔ (الباعث الحثيث: ص:۴۴)

''ضعیف وہ حدیث ہے جس کے اندر صحیح اور حسن کی مذکورہ صفات موجود نہ ہوں۔''

(۲) ایک تعریف صیغۂ تمریض سے بھی کی جاتی ہے:

هو ما لم يبلغ راوية درجة الرجال الحسنِ في الحفظِ والاتقان۔

''ضعیف وہ روایت ہے جس کے راوی حفظ واتقان میں حسن کے درجہ کو نہ پہنچیں۔''

(۳) ابنِ حجرؒ کی تعریف:

حافظ ابنِ حجرؒ نے اپنی کتاب نخبۃ الفکر میں بہت اچھی اور عام فہم تعریف کی ہے:

وهو ما لم يجمع صفة الحسنِ بفقدِ شرط من شروطه و يتفاوت الضعف بتفاوة ضعف الرواة فمنه الضعيف ومنه الواهي ومنكر المنكر۔ وأحطّ أنواعه الموضوع۔

(اصطلاح المحدثين من أفهام الطالبين، ص:۴۳)

''ضعیف وہ حدیث ہے جو ''حسن'' کی کوئی شرط پوری نہ ہونے کی وجہ سے ''حسن'' کی صفت پر پوری نہ اترتی ہو۔ اور راویوں کے ضعف کے اعتبار سے روایت کا ضعف بھی مختلف طرح کا ہوتا ہے، چنانچہ کوئی روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے اور کوئی ''ضعیف جداً'' کوئی ''واہی'' اور کوئی ''منکر'' اور ان میں سب سے کم تر درجہ کی روایت موضوع کہلاتی ہے۔''

مسند

حاکم کی تعریف:

هو ما اتّصل اسناده الی رسول الله ﷺ

(الباعث الحثيث، ص:۴۴)

''مسند وہ حدیث ہے جس کی سند رسول اللہ ﷺ تک متصل ہو۔''

خطیب بغدادی کی تعریف:

هو ما اتّصل إلى منتهاه. (الباعث الحثيث، ص:۴۵)

''مسند وہ حدیث ہے جو آخر تک متصل ہو۔''

خطیب بغدادی کی اس تعریف میں صحابی کا موقوف اور تابعی کا مقطوع بھی شامل ہوجائے گا کیونکہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ تک سند کے متصل ہونے کی قید نہیں لگائی ہے۔

ابن عبدالبر کی تعریف:

أنّه المروى عن رسول الله ﷺ، سواء كان متّصلا أو منقطعاً. (الباعث الحثيث، ص:۴۵)

''مسند وہ روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہو خواہ وہ متصل ہو یا منقطع۔''

ان تمام تعریفات میں حاکم نے مسند کی جو تعریف کی ہے وہی سب سے بہتر ہے کیونکہ اس میں معضل منقطع، موقوف اور مقطوع وغیرہ کچھ شامل نہیں ہوسکتی۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری کی یہ روایت:

حدثنا عبدالله بن يوسف عن مالك عن أبى الزناد عن الأعرج عن أبى هريرة قال: إنَّ رسولَ الله ﷺ قال: إذا شرب الكلبُ فى إناء أحدكم فيغسله سبعاً.

یہ روایت مسند ہے کیونکہ اس میں شروع سے لے کر آخر تک سند متصل ہے اور نبی کریم ﷺ تک مرفوع بھی ہے۔

متّصل

متصل کا دوسرا نام موصول ہے اور یہ مرسل اور منقطع کی ضد ہے، ارسال اور انقطاع سے بچنے کے لیے یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

(۱) حافظ ابن حجرؒ کی تعریف:

والمتّصل ما سلم إسناده من سقوط فيه بحيث يكون كل من رجاله سمع ذلك المروى من شيخه۔

(شرح نزهة النظر فی شرح نخبة الفكر، ص:٦١)

''متصل وہ ہے جس کی سند اپنے اندر سقوط سے محفوظ ہو اس طرح کہ اس سند کے ہر راوی نے اس روایت کو اپنے شیخ سے سنا ہو۔''

(۲) حافظ ابنِ کثیر کی تعریف:

ويقال له الموصول ايضاً، وهو ينفى الإرسال والانقطاع، ويشمل المرفوع الى النبى ﷺ، والموقوف على الصحابى أو من دونه۔ (الباعث الحثيث، ص:۴۵)

''اس کو موصول بھی کہا جاتا ہے اور یہ ارسال اور انقطاع کی نفی ہے۔ اس میں نبی ﷺ کا مرفوع، صحابی کا موقوف اور اس سے بھی ادنیٰ روایت شامل ہے۔''

متصل کی ایک تعریف اس طرح بھی کی جاتی ہے:

هو ما اتّصل سنده مرفوعاً كان أو موقوفاً۔

(اصطلاح المحدثين من افهام الطالبين :۷۸)

''متصل وہ روایت ہے جس کی سند متصل ہو خواہ وہ مرفوع ہو یا موقوف۔

غرض متصل کی ان تمام تعریفات میں یکسانیت ہے۔

متصل مرفوع کی مثال:

مالك عن إبن شهاب عن سالم بن عبدالله عن أبيه عن رسول الله ﷺ۔

متصل موقوف کی مثال:

مالك عن نافع عن إبن عمر عن عمر۔

کیا تابعی کے قول کو متصل کہا جاسکتا ہے؟

عراقی فرماتے ہیں کہ جب تابعین کے اقوال کی اسانید متصل ہوں تو ان کو مقید کر کے ہی متصل کہا جاسکتا ہے جیسا کہ محدثین اس طرح فرماتے ہیں کہ یہ سعید بن میتب کا متصل ہے یا یہ زہری کا متصل ہے۔ (اصطلاح المحدثین من افہام الطالبین : ۷۹)

مرفوع

تعریف:

حدیث مرفوع کی مشہور تعریف درج ذیل ہے:

هو ما أضيف إلى النبى ﷺ من قول أو فعل أو تقرير أو صفة۔ وسواء كان المضيف هو الصحابى أو من دونه متصلاً كان الاسناد أو منقطعاً، فيدخل فيه الموصول والمرسل والمتصل والمنقطع۔ (الباعث الحثيث، ص:۴۵)

"حدیث مرفوع اللہ کے رسول ﷺ کے اس قول یا فعل یا تقریر یا صفت کو کہتے ہیں، جو آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو خواہ منسوب کرنے والے کوئی صحابی ہوں یا کوئی اور، سند خواہ متصل ہو یا منقطع، چنانچہ اس میں موصول مرسل متصل اور منقطع سب داخل ہو جاتی ہیں۔"

خطیب بغدادی کی تعریف:

خطیب بغدادی نے حدیث مرفوع کے مرسل ہونے کی نفی کی ہے۔ انھوں نے حدیث مرفوع کی تعریف اس طرح کی ہے:

هو ما أخبر فيه الصحابى عن رسول الله ﷺ۔

(الباعث الحثیث، ص: ۴۵)

''حدیث مرفوع وہ ہے جس میں صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دی ہو۔''

لیکن یہ تعریف مشہور نہیں ہے۔

حدیث مرفوع کی چار اقسام ہیں:

(۱) المرفوع القولی (۲) المرفوع الفعلی

(۳) المرفوع التقريرى (۴) المرفوع الوصفی

مرفوع قولی کی مثال:

صحابیؓ یا غیر صحابی کہیں: قال رسول الله ﷺ

مرفوع فعلی کی مثال:

صحابی یا غیر صحابی کہیں: فعله رسول الله ﷺ

مرفوع تقریری کی مثال:

صحابی یا غیر صحابی کہیں: فُعِلَ بحضرة النبى ﷺ كذا

لیکن اس فعل پر آپ ﷺ کے انکار کو روایت نہ کیا گیا ہو۔

مرفوع وصفی کی مثال:

صحابی یا غیر صحابی کہیں:

"كان رسول الله ﷺ احسن الناسِ خلقاً۔"

(تقريب اصطلاح المحدثين من أفهام الطالبين، ص: ۷۴)

حکماً مرفوع:

بظاہر موقوف نظر آنے والی روایت مرفوع کے حکم میں شامل ہوتی ہے۔ اس کی درج

ذیل چھ صورتیں ہیں:

(۱) صحابی کا قول مرفوع کے حکم میں شامل ہوتا ہے جبکہ وہ قول کسی ایسے صحابی کا ہو جو اہلِ کتاب سے اخذ کرنے میں معروف نہ ہو۔ نہ ہی اس قول میں اجتہاد کی کوئی گنجائش ہو۔ اور نہ وہ قول کوئی لغوی بیان (وضاحت) ہو، مثال کے طور پر: بدأ الخلق وغیرہ ماضی کے امور سے متعلق اخبار یا ملاحم اور فتن سے متعلق امور، یا قیامت کے احوال، یا کسی خاص عمل پر کسی خاص عذاب یا عقاب سے متعلق اخبار وغیرہ۔

(۲) کسی صحابی کا وہ فعل مرفوع کے حکم میں شامل ہوتا ہے، جس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ جیسے: حضرت علیؓ کا صلاۃِ کسوف کی ہر رکعت میں دو رکوع سے زیادہ ادا کرنا۔

(۳) کسی صحابی کا یہ خبر دینا مرفوع کے حکم میں شامل ہوتا ہے کہ ''وہ ایسا کیا کرتے تھے'' یا ''ایسا کہا کرتے تھے'' یا ''وہ اس بات میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔''

اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف) اگر وہ ان باتوں کو نبی کریم ﷺ کے زمانے کی طرف منسوب کریں تو صحیح قول کے مطابق وہ مرفوع ہوگا۔

مثال: جابرؓ کا یہ قول: کنا نعزل علی عهد رسول الله ﷺ

(ب) اور اگر وہ ان باتوں کو نبی کریم ﷺ کے زمانے کی طرف منسوب نہ کریں تو جمہور کے نزدیک وہ موقوف ہوگا۔

مثال: جابرؓ کا یہ قول ''کنا إذا صعدنا کبّرنا وإذا نزلنا سبّحنا.'' (البخاری)

(۴) کسی صحابی کا یہ قول مرفوع کے حکم میں شامل ہوتا ہے کہ: ''ہمیں ایسا حکم دیا گیا ہے۔'' یا ''ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے۔'' یا ''منَ السنةِ کذا (ایسا سنت میں سے ہے)''

مثال: بعض صحابہ کا یہ قول:

أمِرَ، بلالٌ ان یشفع الأذان ویوتر الإقامة۔

یا جیسے ام عطیہؓ کا یہ قول:

نهينا عن اتباعِ الجنائز ولم يعزم علينا.

یا جیسے ابو قلابہ کا یہ قول:

عن انس: من السنَّةِ إذا تزوّجَ البكرَ على الثيبِ أقامَ عندها سبعاً.

(۵) صحابی کا ذکر کرتے وقت کوئی راوی درج ذیل چار کلمات میں سے کوئی ایک کلمہ استعمال کرے تو اس حدیث پر بھی موقوف کا حکم لگایا جائے گا:

(الف) يرفعه

(ب) يمنيه

(ج) يبلغ به

(د) روايةً

مثال: اعرج کی یہ حدیث:

عن ابى هريرة روايةً "تقاتلونَ قوماً صغارَ الأعين.

(البخارى)

(۶) کوئی صحابی کوئی ایسی تفسیر بیان کرے جو کسی آیت کے سبب نزول سے متعلق ہو، تو اس پر بھی مرفوع کا حکم لگایا جائے گا:

مثال: جابرؓ کا یہ قول:

كانتِ اليهود تقول: من أتى إمرأته من دبرها فى قبلها جاء الولدُ أحول، فأنزل الله تعالىٰ: نساؤكم حرثٌ لكم...... الآية (۱) (مسلم)

---

(۱) یہ معلومات ماخوذ ہیں کتاب تقریب اصطلاح المحدثین من افہام الطالبین، ص ۷۵-۷۷ سے

موقوف (اَثر)

حافظ ابنِ کثیرؒ کی تعریف:

ومطلقة يختصّ بالصحابي، ولا يستعمل فيمن دونه إلّا مقيّداً وقد يكون اسناده متّصلاً وغير متصل.

(الباعث الحثيث، ص: ۴۵)

"موقوف کا اطلاق صحابی کے ساتھ خاص ہے اور صحابی سے کم تر کے لیے یہ اصطلاح مقید ہوکر ہی استعمال ہوتی ہے اور اس کی سند کبھی متصل ہوتی ہے اور کبھی غیر متصل۔"

نوٹ: "فیمن دونہ" سے مراد تابعی ہیں اور "مقید" سے مراد یہ ہے کہ اگر تابعی کے لیے اس اصطلاح کا استعمال کیا جائے تو یہ وضاحت کرنی پڑے گی کہ یہ تابعی کا موقوف ہے۔

اَثر

اکثر فقہاء اور محدثین نے موقوف کو "اثر" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ابن صلاح کی رائے ہے کہ خراسانی موقوف کو 'اثر' کہتے ہیں اور ابوقاسم فورانی سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ "خبر اسے کہتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہو اور اثر وہ ہے جو صحابی سے منسوب ہو۔" یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء نے جو کتابیں جمع کی ہیں ان کے نام سنن اور آثار رکھے ہیں جیسا کہ امام طحاوی اور بیہقی کی کتابوں کے نام "السنن والآثار" ہیں۔

فقہاء خراسان کی اصطلاح:

فقہاء خراسان حدیث مرفوع کو خبر اور حدیثِ موقوف کو اَثر کہتے ہیں۔ لیکن محدثین حدیث مرفوع اور حدیثِ موقوف دونوں کو خبر اور اثر دونوں ناموں سے موسوم کرتے ہیں۔

دوسری تعریف:

الموقوف هو ما أضيف إلى الصحابى أو جمع من الصحابة قولًا أو فعلًا أو تقريراً و سواءٌ كان السندُ إليهم متّصلا أو منقطعاً۔

(تقریب اصطلاح المحدثین من افہام الطالبین، ص:۷۵)

''موقوف اس قول، فعل یا تقریر کو کہتے ہیں جو کسی صحابی کی طرف یا صحابہ کی جماعت کی طرف منسوب ہو، خواہ سند ان تک متصل ہو یا غیر متصل۔''

موقوف قولی کی مثال:

قال علی بن أبی طالب رضی الله عنه "حدّثو الناس بما يعرفون أ تريدون أن يكذب الله و رسوله۔ (بخاری)

موقوف فعلی کی مثال:

قول البخاری: "أَمَّ ابن عباس وهو متيمم۔"

موقوف تقریری کی مثال:

جیسے کسی تابعی کا قول:

فعلت كذا أمام أحد من الصحابة ولم ينكر عليَّ۔

کیا موقوف حجت بنے گا؟

موقوف کبھی صحیح کبھی حسن اور کبھی ضعیف ہوتا ہے۔ اور اس کی اصل یہی ہے کہ موقوف حجت نہیں بنتا کیونکہ وہ صحابہؓ کے اقوال و افعال ہیں، لیکن اگر موقوف ثابت ہو جائے تو وہ بعض ضعیف احادیث کو تقویت فراہم کرتے ہیں کیونکہ صحابہؓ سنت پر عمل پیرا تھے۔

البتہ وہ موقوف جو حکماً مرفوع ہوتے ہیں تو ان کا حکم ''صریح مرفوع'' کے جیسا ہے یعنی وہ حجت بن جاتا ہے۔ (جس کی تفصیل حدیثِ مرفوع کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔)

مقطوع

حافظ ابن کثیر کی تعریف:

وهو الموقوف على التابعين قولا و فعلا، وهو غير المنقطع۔ (من غير رفعه إلى النبي صلى الله عليه وسلم)

(الباعث الحثيث، ص:۴۶)

''وہ قول اور فعل جو تابعین پر موقوف ہو اور سند غیر منقطع ہو۔''

امام شافعی کی تعریف:

المقطوع : منقطع الاسناد غير الموصول۔

(نفس المصدر، ص:۴۶)

''مقطوع وہ ہے جس کی سند میں انقطاع ہو اتصال نہ ہو۔''

شیخ ابو عمرو الشعبی:

شیخ ابو عمرو شعبی نے صحابی کے قول پر مقطوع کا اطلاق کیا ہے جبکہ صحابی ''كنا نفعل'' یا ''نقول كذا'' کے الفاظ زبان سے ادا کریں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے اس بات کو منسوب نہ کریں۔ (الباعث الحثيث، ص:۴۶)

ایک اور تعریف:

هو ما أضيف إلى التابعي أو من دونه من قول أو فعل۔

(تقريب اصطلاح المحدثين، ص:۷۷)

''وہ قول یا فعل جس کی نسبت تابعی یا تابعی سے نیچے تبع تابعی کی طرف کی گئی ہو۔''

مقطوع قولی کی مثال:

مبتدع کے پیچھے نماز کے سلسلے میں حسن بصریؒ کا یہ قول:

"صلّ وعليه بدعته" (البخاری)

مقطوع فعلی کی مثال:

ابراہیم بن محمد بن المنتشر کا یہ قول:

كان مسروق يرخي الستر بينه و بين أهله ويقبل على صلاته ويخليهم ودنياهم. (البخاری)

مقطوع کا حکم

مقطوع روایت حجت نہیں بنتی کیونکہ وہ کسی مسلمان کا قول یا فعل ہوتی ہے لیکن اگر کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس کے مرفوع (نبی ﷺ سے منسوب) ہونے پر دلالت کر دے تو پھر اس کا اعتبار کیا جائے گا اور اس پر ''مرفوع مرسل'' کا حکم عائد ہوگا۔

المقطوع والمنقطع

مقطوع منقطع کے علاوہ ہوتا ہے۔ کیونکہ مقطوع ہونا متن کی صفت ہے اور منقطع ہونا سند کی صفت ہے۔ لیکن امام شافعی اور طبرانی کی طرح بعض محدثین نے مقطوع کا اطلاق اس منقطع کے لیے کیا ہے جس کی سند متصل نہ ہو جب کہ امام شافعیؒ کی یہ رائے جمہور کے اصطلاح مقرر کرنے سے پہلے کی ہے اور جہاں تک امام طبرانیؒ کی بات ہے تو بہت ممکن ہے کہ انھوں نے اصطلاح سے ہٹ کر یہ بات کہی ہو۔

مرسل

لغوی معنیٰ:

مرسل کا لغوی معنیٰ ہے: ''الاطلاق من التقیید''

مرسل کی تعریف:

الحدیث المرسل هو الذی أطلق راویة عمن تحمّله عنه کقولِ التابعی قال رسول الله ﷺ کذا و کذا، ومنه کقولِ نافع قال رسول الله ﷺ کذا أو فعل کذا.

''حدیث مرسل وہ ہے جس کے کسی راوی نے اپنے اصل ''مروی عنه'' کو چھوڑ کر براہِ راست روایت کردی ہو جیسے تابعی کا ''قال رسول الله ﷺ کذا و کذا'' کہنا۔'' اور اس کی مثال نافع کا یہ قول ہے: قال رسول الله ﷺ کذا أو فعل کذا.''

دوسری تعریف:

هو ما سقط من آخر إسناده من بعد التابعی فیحتمل أنّ هذا التابعی قد أخذه من صحابی أو أخذه من تابعی آخر.

(تقریب اصطلاح المحدثین، ص: ۴۰)

''مرسل وہ ہے جس کی سند میں تابعی کے بعد آخر سند سے کوئی راوی ساقط ہو تو یہ احتمال پیدا ہو جائے کہ اس تابعی نے یہ حدیث کسی صحابی سے روایت کی ہے یا پھر کسی دوسرے تابعی سے۔''

ابن عبدالبر:

ابنِ عبدالبر نے بعض لوگوں کا یہ قول بیان کیا ہے کہ صغار تابعین کے مراسل کو مرسل

نہیں کیا جائے گا۔ (الباعث الحثیث، ص: ۴۸)

حاکم نیشاپوری:

حاکم نیشاپوری کی رائے ہے کہ مرسل تابعین کے ساتھ خاص ہے۔

(الباعث الحثیث، ص: ۴۸)

جمہور فقہاء واصولِ فقہ کے علماء:

جمہور فقہاء واصولیوں کے رائے ہے کہ مرسل تابعین اور تبع تابعین سب کے لیے عام ہے۔ (الباعث الحثیث، ص: ۴۸)

ابوعمرو بن حاجب:

ابوعمرو بن حاجب کے نزدیک

المرسل قول غیر الصحابی :"قال رسول اللہ ﷺ"

یعنی مرسل وہ روایت ہے جس میں غیر صحابی (یعنی تابعی) ''قال رسول اللہ ﷺ'' کے الفاظ ادا کرے۔

مرسل حجت بنے گا یا نہیں؟

امام مسلمؒ اپنی کتاب کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

إن المرسلَ فی أصلِ قولنا و قول أهل العلم بالأخبار لیسَ بحجّة.

''مرسل ہمارے نزدیک اور علماء حدیث کے نزدیک حجت نہیں ہے۔''

ابنِ صلاح نے بھی اپنے مقدمے میں یہی بات کہی ہے۔:

سبب:

اور مرسل کے حجت نہ بننے کا سبب یہ ہے کہ اس میں ایک راوی ساقط ہے جو مجہول ہے ممکن ہے غیر ثقہ ہو، اور چونکہ روایت میں ثقاہت اور یقین کا اہم رول ہے اور یہ روای مجہول ہے، اس کی ثقاہت وعدالت کا کچھ پتہ نہیں ہے، اس لیے اس کی روایت حجت نہ ہوگی۔

امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی رائے

ان پانچوں ائمہ کے نزدیک مرسل دین میں حجت بنے گا۔

امام شافعیؒ کی رائے:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کبارِ تابعین کے مراسیل حجت بنیں گے جیسا کہ وہ سعید بن مسیّبؒ کے مراسیل کو حجت مانتے ہیں کیونکہ چھان بین کے بعد ان کے مراسیل مسند ثابت ہوئے۔ یعنی اللہ کے رسول ﷺ سے ان کا ثبوت مل گیا۔ (الباعث الحثیث، ص:۴۸)

چنانچہ کبارِ تابعین کے مراسیل اگر چھان بین کے بعد مسند ثابت ہوجائیں تو حجت بنیں گے لیکن اگر چھان بین کے بعد مسند ثابت نہ ہوسکے تو حجت نہیں بنیں گے۔

البتہ صغارِ تابعین کے مراسیل کے بارے میں امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ

أما مراسيل غير كبارِ التابعين فلا اعلم احداً قبلها.

(الباعث الحثیث، ص:۴۹)

''صغار تابعین کے مراسیل کے بارے میں مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے ان کو قبول کیا ہو۔''

کیونکہ صغار تابعین میں یہ امکان ہے کہ تابعی تابعی سے روایت کر رہا ہو اور وہ مجہول ہو۔

ابنِ صلاح فرماتے ہیں کہ

''ابنِ عباسؓ وغیرہ (یعنی کم سن صحابہ) کے مراسیل بھی موصول کے حکم میں شامل ہیں (یعنی حجت بنیں گے) کیونکہ انھوں نے صرف صحابہ کرامؓ سے ہی روایات نقل کی ہیں، اور صحابہ سارے کے سارے عدول ہیں ایسے صحابہ کے مراسیل میں کسی صحابی کے مجہول ہونے سے کوئی نقصان روایت کو نہیں پہنچتا۔ (الباعث الحثیث، ص: ۴۹)

منقطع

تعریف:

الحديث المنقطع هو ما سقط منه راوٍ من موضع أو اكثر من مواضع من سنده مع رفعه به إلى النبى صلى الله عليه وسلم۔

(نزهة النظر شرح نخبة الفكر)

"حدیثِ منقطع وہ مرفوع حدیث ہے، جس میں ایک یا ایک سے زیادہ مقامات سے سند کے راوی ساقط ہوں۔"

دوسری تعریف:

وهو ما لم يتّصل اسناده على أى وجه كان، سواء كان السقوط من الأول أو الآخر أو الوسطِ فيدخل فيه المرسل والمعلق والمعضل۔ (تقريب اصطلاح المحدثين، ص:۴۳)

"منقطع وہ حدیث ہے، جس کی اسناد متصل نہ ہو، خواہ ایسا کہیں سے بھی ہو، خواہ راوی شروع سند میں ساقط ہو یا آخر سند میں یا درمیان میں سب برابر ہیں۔ چنانچہ اس میں مرسل معلق اور معضل سب شامل ہو جاتی ہیں۔"

متاخرین کی رائے:

متاخرین کے نزدیک منقطع میں مرسل، معلق اور معضل روایات شامل نہیں ہوتیں۔ اور کبھی راوی ایک مقام پر کبھی دو مقامات پر اور کبھی تین مقامات پر ساقط ہوتا ہے۔

(تقريب اصطلاح المحدثين، ص: ۴۳)

بعض لوگوں کی رائے:

بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ منقطع وہ حدیث ہے جس میں سند سے کوئی راوی ساقط

ہو یا پھر سند میں کسی مبہم شخص کا ذکر کر دیا جائے۔ (الباعث الحثیث، ص: ۵۰)

مثال:

ماروواه عبدالرزاق من الثوری عن ابی اسحٰق عن زید بن یشبع عن حذیفة مرفوعاً "إن ولیتموها أبا بکرٍ فقویٌّ أمین" (حاکم، احمد، بزار اور طبرانی میں بھی اسی مفہوم کی روایات موجود ہیں)

اس حدیث کی سند میں دو مقامات پر انقطاع ہے:

پہلا انقطاع یہ ہے کہ عبدالرزاق کا سماع ثوری سے ثابت نہیں ہے بلکہ نعمان بن ابی شیبہ جندی ثوری سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا انقطاع یہ ہے ثوری کا سماع ابو اسحاق سے ثابت نہیں ہے بلکہ شریک ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں۔ (الباعث الحثیث، ص: ۵۰)

سند میں مبہم شخص کے ذکر کی مثال:

بما رواه أبو العلاء بن عبدالله بن الشخیر عن رجلینِ عن شداد بن أوسٍ، حدیث، "اللّٰهم إنی أسألك الثبات فی الأمر." (الباعث الحثیث، ص: ۵۰)

اس مثال میں ''رجلین'' مبہم راوی ہیں، اس وجہ سے سند میں انقطاع پیدا ہو گیا ہے۔

مرسل اور منقطع میں فرق

کچھ لوگوں کے نزدیک منقطع اور مرسل دونوں یکساں ہوتی ہیں کیونکہ دونوں میں سند متصل نہیں ہوتی۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ مرسل کا اطلاق زیادہ تر اس روایت پر کیا جاتا ہے، جس میں تابعی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرے۔

ابنِ صلاح، خطیب بغدادی اور فقہاء کی جماعت اور اکثر علماء اسی بات پر متفق ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ مرسل اور منقطع دو الگ الگ چیزیں ہیں کیونکہ انقطاع بمعنی انفصال ہے یعنی ''جدا ہونا'' اس لیے اس کو جوڑنا ممکن نہیں ہوتا۔ جبکہ ارسال بمعنی اطلاق ہے

یعنی ''چھوڑنا'' لہٰذا مطلق کی تقیید ممکن ہے۔ تحقیق کے بعد پتہ چل جاتا ہے کہ کون سا راوی چھوڑ دیا گیا ہے جیسا کہ سعید بن میسبؒ اور دوسرے کبارِ تابعین کے مراسیل میں ساقط راوی کو دوسرے طُرق سے معلوم کرلیا گیا کہ وہ کس سے روایت کرتے ہیں۔

لیکن مرسل اور منقطع کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ

مرسل میں تابعی رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتا ہے اور صحابی ساقط ہوتا ہے۔

منقطع میں صحابی ساقط نہیں ہوتا بلکہ صحابی کے علاوہ کوئی دوسرا راوی اپنے زمانے سے ہٹ کر کسی دوسرے زمانے کے راوی سے روایت کردیتا ہے۔

معلّق

''صحیحین پر تعلیقات'' میں معلّق کی تفصیل گزر چکی ہے۔

تعریف:

معلّق وہ روایت ہے جس میں ایک یا ایک سے زیادہ راوی (چاہے وہ آخر سند تک ہی کیوں نہ ہوں) ابتداء سے حذف کردیے گئے ہوں۔

مقصد:

حذف کرنے کا مقصد اختصار ہوتا ہے یا پھر مؤلف بطور تقویت حدیث کو اپنی کتاب میں بیان تو کرتا ہے لیکن اپنی شرط کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق سے کام لیتا ہے۔

مثال: ''باب ما یذکر فی الفخذ'' میں امام بخاریؒ نے یہ تعلیق نقل کی ہے:

وقال ابو موسیٰ غطی النبی ﷺ رکبتیه حین دخل عثمان

اس روایت میں امام بخاریؒ نے صحابی کے سوا پوری سند حذف کردی ہے۔ اور کبھی صحابی کو بھی حذف کردیا جاتا ہے اور صرف قال رسول اللہ ﷺ کہہ کر حدیث بیان کردی جاتی ہے۔

معضل

تعریف:

هو ما سقط من سند راويان متواليان فاكثر قالوا وهو قسم من المنقطع إلَّا أنه بصورة أشدّ لأنّ كل معضل منقطع۔ وليس كل منقطع معضل۔ (۱)

''معضل وہ روایت ہے جس کی سند میں دو یا دو سے زیادہ راوی لگاتار ساقط ہوں اور یہ منقطع کی ایک قسم ہے لیکن معضل انقطاع کی بڑھی ہوئی شکل ہے کیوں کہ ہر معضل روایت منقطع ہوگی لیکن ہر منقطع معضل نہ ہوگی۔''

دوسری تعریف:

هو ما سقط من إسناده إثنان فأكثر على التوالى، وهو ضعيف وأسوأ حالا من المرسل والمنقطع لكثرة المحذوفين۔ (۲)

''معضل وہ روایت ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زیادہ راوی لگاتار ساقط ہوں، اور یہ ضعیف ہے اور محذوفین کی کثرت کی وجہ سے مرسل اور منقطع سے بھی کم تر ہے۔''

مثال:

ما رواه حاكم عن القعنبى عن مالك أنه بلغه أن أبا هريرة قال: قال رسول اللّٰه ﷺ: لِلملوكِ طعامه و كسوته

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثيث و نخبة الفكر و مقدمه ابن صلاح

(۲) تقريب اصطلاح المحدثين من افهام الطالبين، ص۴۳

بالمعروف ولا يكلّف من العمل إلّا ما يطيق۔

(موطا مالك، كتاب الاستئذان، باب الأمر بالرفق بالمملوك)

امام حاکم اس روایت کو اس لیے معضل کہتے ہیں کہ مالکؒ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان دو راوی یکے بعد دیگرے ایک ہی جگہ سے ساقط ہیں۔ دوسری سند سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک اور حضرت ابو ہریرہؓ کے درمیان محمد بن عجلان اور ان کے والد ہیں۔

دوسری مثال:

وقد روى الأعمش عن الشعبي قال: ويقال للرجل يوم القيامة: عملت كذا و كذا؟ فيقول: لا ، فيختم على فيه.

اس روایت کو اعمش نے معضل بیان کیا ہے کیوں کہ انھوں نے شعبی کے بعد دو راوی حضرت انس اور نبی کریم ﷺ کو ساقط کر دیا ہے اور اب یہ حدیث شعبی کا قول معلوم ہو رہی ہے اس لیے یہ روایت معضل ہے۔(۱)

معضل اور منقطع میں فرق:

معضل میں راوی مسلسل ساقط ہوتے ہیں جبکہ منقطع میں راوی مسلسل ساقط نہیں ہوتے۔

معضل کا حکم:

معضل کا حکم یہ ہے کہ یہ ضعیف روایت ہے اس لیے حجت نہیں بنتی ہے اور محذوفین کی کثرت کی وجہ سے مرسل اور منقطع سے بھی کم تر درجہ کی ہے۔

معضل اور معلّق میں فرق:

بينهما عموم وخصوصٌ من وجهٍ کی نسبت ہے۔

(۱) جب شروع سند سے مسلسل دو راوی ساقط ہوں تو وہ روایت معضل و معلّق کہلاتی ہے۔

(۲) جب درمیان سند سے مسلسل دو راوی ساقط ہوں تو وہ روایت صرف معضل کہلاتی ہے۔

(۳) اور جب شروع سند سے صرف ایک راوی ساقط ہو تو وہ روایت صرف معلّق کہلاتی ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث اور تقریب اصطلاح المحدثین

مدَلَّس

مدَلَّس دلس سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں تاریکی کو روشنی سے ملانا۔ (۱)

تعریف:

التدليس هو تغيير من الراوى فى سند الحديث موهماً غيره أنَّ راويته وردت على هذه الصفة. (۲)

"تدلیس یہ ہے کہ راوی حدیث کی سند میں تبدیلی کردے، سامنے والے کو یہ وہم دلاتے ہوئے کہ یہ روایت اسی طرح ہے۔"

دوسری تعریف:

اخفاء عيب فى الاسناد و تحسين لظاهره. (۳)

"سند میں عیب کو چھپانا اور بظاہر اس کو خوبصورت بنا کر پیش کرنا تدلیس کہلاتا ہے۔"

تدلیس ایک عمل ہے۔

جس حدیث میں تدلیس کی جاتی ہے، حدیثِ مدَلَّس کہلاتی ہے۔ جو شخص تدلیس کا عمل کرتا ہے، وہ مدِلِّس کہلاتا ہے۔

تدلیس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سند کی تدلیس

(۲) شیوخ کی تدلیس

(۱) سند کی تدلیس:

أن يروىَ عن لقيه ما لم يسمعه منه، أو عمن عامره ولم

(۱) نزهة النظر، ص:۴۲

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث، ونزهة النظر

(۳) تة... اصطلاح المحدثين، ص: ۴۳

يلقه، موهماً أنّه سمعه منه.

''سند کی تدلیس یہ ہے کہ راوی اس شخص سے روایت کردے جس سے ملاقات تو کی ہو لیکن سنا نہ ہو، یا پھر اس شخص سے روایت کردے جس کی معاصرت تو حاصل ہو لیکن ملاقات نہ کی ہو۔ یہ وہم دلاتے ہوئے کہ اس نے اس سے سنا ہے۔''

تدلیس کی مثال:

امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث میں اپنی سند سے بیان کرتے ہیں:

على ابن خشرم قال: قال لنا ابن عيينةً عن الزهرى، فقيل له سمعّه من الزهرى، فقال لا، ولا ممن سمعه من الزهرى، حدثنى عبدالرزاق عن عمر عن الزهرى.

اس مثال میں سفیان ابن عیینہ نے اپنے اور زہری کے مابین دو راوی ساقط کردیے ہیں۔ ابن عیینہ کو زہری سے سماع بھی حاصل ہے اس لیے یہاں ایک طالب علم یہ وہم کرسکتا ہے کہ ابنِ عیینہ زہری سے براہِ راست روایت کررہے ہیں۔

سند کی تدلیس کی ایک اور قسم بھی ہے جو ''تدلیس التسویۃ'' کہلاتی ہے۔

تدلیس التسویۃ:

وهو رواية الراوى عن شيخه ثم إسقاط ضعيف بين ثقتين لقى أحدهما الآخر.

''تدلیس تسویہ یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے روایت کرے مگر سلسلۂ سند سے دو ثقہ راویوں کے درمیان سے کسی ضعیف راوی کو ساقط کردے۔ جبکہ ان دونوں ثقہ راویوں کی آپس میں ملاقات ثابت شدہ ہو۔''

یہ تدلیس کی بدترین قسم ہے، کیوں کہ اس میں ضعیف راوی کو ساقط کردیا جاتا ہے اور طالب علم اس دھوکے میں پڑجاتا ہے کہ اس سند کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

تدلیس تسویہ کرنے والے مشہور مدلسین:

دو محدثین ایسے ہیں جن کا نام تدلیس تسویہ میں مشہور ہے:

(۱) بقية بن الوليد　　　　(۲) الوليد بن مسلم

تدلیس تسویہ کی مثال:

ابن ابی حاتم نے علل میں یہ روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں:

سمعتُ أبی و ذکر الحدیث الذی رواه إسحق بن راهویة عن بقیة حدثنی أبو وهب الأسدی عن نافع عن إبن عمر حدیث: "لا تحمدوا إسلام المرء احتّی تعرف عقده رأیه."

اس روایت میں بقیہ بن ولید نے عبیداللہ بن عمرو ابو وہب الاسدی اور نافع کے درمیان سے ایک ضعیف راوی اسحاق بن ابی فروہ کو ساقط کردیا ہے، جبکہ عبیداللہ بن عمرو ابو وہب الاسدی اور نافع دونوں ثقہ راوی ہیں۔

اسی طرح ولید بن مسلم بھی اکثر اوزاعی کی احادیث میں تدلیس سے کام لیتے ہیں اور اپنے اور نافع کے درمیان یا پھر اپنے اور یحیٰ بن سعید کے درمیان سے راوی کو ساقط کردیتے ہیں کیونکہ وہ ضعیف راوی ہیں اور ایسا وہ اس لیے کرتے ہیں تاکہ اوزاعی کو اس عیب سے محفوظ کرسکیں کہ وہ ان ضعیف راویوں کی روایت لے لیتے ہیں۔

(۲) شیوخ کی تدلیس:

أما تدلیس الثانی هو أن یروی الراوی عن شیخ حدیثاً سمعه منه فیسمیه أو یکنیه أو ینسبه أو یصفه بما لا یعرف به کی لا یعرف.

''تدلیس کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی راوی اپنے شیخ سے حدیث روایت کرے اور وہ حدیث اس نے اپنے شیخ سے سنی بھی ہو لیکن اپنے شیخ کو بیان کرتے وقت اس کے لیے ایسا نام، کیفیت، نسب یا صفت بیان کردے جس سے وہ معروف نہ ہو۔ اور راوی اپنے شیخ کا معروف نام اس لیے چھپائے تاکہ اسے پہچانا نہ جائے۔''

تدلیس الشیوخ کی مثال:

قول أبی بکر بن مجاهد من أئمة القراء: حدثنا عبدالله

بن أبی عبدالله.

اس مثال میں عبداللہ بن أبی عبداللہ سے مراد ابو بکر بن داود سجستانی ہیں۔

تدلیس کا حکم:

علماء نے تدلیس کی مذمت کی ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: "التدلیس أخو الکذب" یعنی تدلیس جھوٹ کی ایک قسم ہے۔ اور شعبہ فرماتے ہیں کہ تدلیس سے بہتر یہ ہے کہ کوئی آدمی بدکاری کرے۔

علماء کے نزدیک تدلیس الاسناد بے حد ناپسندیدہ ہے۔

تدلیس التسویہ تدلیس الاسناد سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے۔

تدلیس الشیوخ البتہ قابلِ قبول ہے کیونکہ اس کا نقصان بھی تدلیس الاسناد اور تدلیس الشیوخ کے مقابلے میں کم ہے۔

شاذ

امام شافعی کی تعریف:

قال الشافعي: وهو أن يروى الثقة حديثاً يخالف ماروى الناس الثقات وليس من ذلك أن يروى مالم يرو غيره. (۱)

"شاذ سے مراد یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جو ثقہ لوگوں کی روایت کی مخالفت کرے، اور شاذ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ راوی ایسی روایت بیان کردے جو کسی سے مروی نہ ہو۔"

دوسری تعریف:

ما رواه المقبول مخالفاً لمن هو أولى منه. (۲)

(۱) الباعث الحثیث، ص:۵٦، بأدنی تغییر

(۲) تقریب اصطلاح المحدثین، ص:٦٨

"کسی مقبول راوی کی وہ روایت جو اس نے اپنے سے افضل کی مخالفت میں بیان کی ہو۔"

تیسری تعریف:

هو أن يروى الثقة حديثاً يخالف الثقات۔ (۱)

"ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کرے جو دوسرے ثقہ راویوں کی مخالفت کرے۔"

شذوذ دو طرح کا ہوتا ہے:

(۱) شذوذ فی السند

(۲) شذوذ فی المتن

شذوذ فی السند کی مثال:

ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ میں ابن عیینہ کے طریق سے یہ روایت منقول ہے:

ابن عيينة عن عمرو بن دينار عن عوسجة عن ابن عباس أنّ رجلاً توفى على عهد رسول الله ﷺ ولم يدع وارثاً إلّا مولى اعتقه۔

ابنِ جریج اور بعض دوسرے محدثین نے اس حدیث کو متصل بیان کرنے میں ابن عیینہ کی متابعت کی ہے، لیکن حماد بن زید اس روایت کو عمرو بن دینار عن عوسجہ تک موقوف بیان کرتے ہیں اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کرتے۔ اسی لیے ابو حاتم نے ابن عیینہ کی حدیث کو محفوظ بتایا ہے۔ اگرچہ حماد بن زید بھی صاحبِ عدل وضبط راوی ہیں لیکن ان کی روایت شاذ ہے اس لیے امام ابو حاتم نے ان کے مقابلے میں اکثریت کی روایت کو ترجیح دی ہے۔

شذوذ فی المتن کی مثال:

سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی میں یہ روایت ہے

عبدالواحد بن زياد عن الأعمش عن أبى صالح عن أبى هريرة مرفوعاً: "إذا صلّى أحدكم الفجر فليضطجع عن

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں مقدمة ابن صلاح اور نخبة الفكر

یمینه۔"

بیہقی فرماتے ہیں کہ اس روایت میں عبدالواحد نے اکثر محدثین کی مخالفت کی ہے کیونکہ زیادہ تر محدثین نے نبی کریم ﷺ کا فعل نقل کیا ہے۔ جبکہ صرف عبدالواحد نے آپ ﷺ کا قول نقل کیا ہے اور چونکہ عبدالواحد بھی ثقہ روای ہیں اس لیے ان کی روایت شاذ کہلائے گی۔

حکم:

شاذ کا حکم یہ ہے کہ جس طریق میں شذوذ نہ ہو وہ طریق راجح ہوتا ہے۔ اور جس طریق میں شذوذ ہو وہ طریق مرجوح ہوتا ہے، جس طریق میں شذوذ نہ ہو تو وہ محفوظ ہے اور جس طریق میں شذوذ ہو وہ مردود ہے۔

محفوظ

المحفوظ مقابل الشاذ ای ما رواه الأوثق مخالفاً للثقةِ۔(۱)

''شاذ کی مقابل روایت محفوظ کہلاتی ہے یعنی وہ روایت جس میں کوئی ثقہ راوی اپنے سے کم ثقہ راوی کی مخالفت کرے۔

حکم:

الشاذ مردود و المحفوظ مقبولٌ۔

(۱) تقریب اصطلاح المحدثین، ص ۶۹

منکر

تعریف:

هو ما انفرد به الراوی الذی لیس بعدلٍ و لا ضابطٍ فهو منکر مردودٌ لأنّه فقد شرط العدالة والضبطِ (۱)

''وہ تنہا روایت جس کا راوی عادل وضابط نہ ہوتو وہ روایت منکر کہلاتی ہے، کیونکہ اس میں عدالت اور ضبط کی شرط مفقود ہے۔''

دوسری تعریف:

هو ما یرویه الضعیف مخالفاً فیه روایة الثقةِ فهو منکر مردود۔

''وہ روایت جسے کوئی ضعیف راوی، ثقہ راوی کے برعکس روایت کرے تو وہ منکر مردود ہے۔''

تیسری تعریف:

هو الحدیث الذی فی إسناده راوٍ فحش غلطه أو کثرت غفلته أو ظهر فسقه۔ (۲)

''وہ حدیث جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس میں فاش غلطی یا انتہائی غفلت یا فسق پایا جائے۔''

ان تعریفات کی روشنی میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ محدّثین کی اصطلاح میں منکر کا اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

(۱) وہ حدیث جسے کوئی ضعیف راوی، ثقہ راوی کے برعکس روایت کرے۔

(۲) وہ حدیث جس کے کسی راوی میں فاش غلطی یا انتہائی غفلت یا فسق پایا جائے۔

---

(۱) من مذکراتی

(۲) تقریب اصطلاح المحدثین، ص۵۴

پہلی قسم کی مثال:

ابو حاتم نے حبیب بن حبیب کے طریق سے یہ روایت بیان کی ہے:

حبيب بن حبيب الزيات عن أبی اسحٰق عن العيزار بن حريث عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال: من أقام الصلاة وآتی الزكاة وحجَّ البيت و صام و قری الضيف دخل الجنة۔

ابو حاتم نے حبیب بن حبیب کے اس طریق کو منکر کہا ہے کیونکہ حبیب بن حبیب کے برعکس دوسرے ثقہ راویوں نے اسی روایت کو ابو اسحاق سے موقوف روایت کیا ہے۔ اور وہی سند معروف بھی ہے۔

دوسری قسم کی مثال:

سنن نسائی اور ابن ماجہ کی یہ روایت:

ابن زكير يحيىٰ بن محمود بن قيس عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة مرفوعاً "كلوا البلحَ بالتمر فإنَّ ابن آدم إذا أكله غضب الشيطان۔"

امام نسائی نے اس حدیث کو منکر فرمایا ہے کیونکہ اس کی سند میں ابو زکیر یحییٰ بن محمد ابن قیس ہیں۔ جن کے بارے میں حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں:

"صدوق يخطئ كثيراً۔" (التقريب)

اور امام نسائی فرماتے ہیں:

هذا حديث منكر تفرّد به أبو زكير وهو شيخ صالح أخرج له مسلم فی المتابعات غير أنه لم يبلغ مبلغ من يتحّمل تفرّده۔ (التقريب: ص:۵۴)

''یہ حدیث منکر ہے کیوں کہ اس کو ابو زکیر نے تنہا روایت کیا ہے وہ نیک و صالح ہیں، امام مسلمؒ نے متابعات میں ان کی روایات کی تخریج کی ہے، لیکن وہ اس مقام

پر نہیں ہیں کہ ان کے تفردات کو قبول کیا جائے۔"

منکر کا حکم:

منکر کی دونوں اقسام میں شدید ضعف پایا جاتا ہے۔ اس لیے یہ حجت نہیں بنتی۔ منکر روایت کا ضعف متروک سے بھی شدید ہوتا ہے۔

متروک

تعریف:

إذا كان سبب الطعن فى الراوى التهمةُ بالكذب سمى حديثه المتروك.

"جب راوی کے طعن کا سبب جھوٹ کی تہمت ہو تو اس کی حدیث متروک کہلاتی ہے۔"

درج ذیل دو صورتوں میں سے ایک صورت میں راوی متہم بالکذب قرار پاتا ہے:

(۱) یہ کہ وہ حدیث کو اپنے ہی طریق سے روایت کرتا ہو اور وہ محدثین کے عام قاعدے کے خلاف ہو۔

(۲) عام گفتگو میں راوی کا کذب معروف ہو لیکن احادیثِ نبوی کے سلسلے میں اس کا کذب سامنے نہ آیا ہو۔

مثال:

حديث عمرو بن شمّر الجعفى الكوفى الشيعى عن جابر عن أبى الطفيل عن على وعمارٍ قالا: كان النبى ﷺ يقنتُ فى الفجر ويكبر يوم عرفة من صلاة الغداة ويقطع صلاة العصر آخر أيّام التشريق.

امام نسائی اور دار قطنی فرماتے ہیں کہ عمرو بن شمّر متروک الحدیث ہیں۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین، ص ۵۳

متروک کا مقام:

متروک ''ضعیف'' کی بدترین قسم ہے۔ حافظ ابن حجر کی ترتیب کے مطابق ضعف کے اعتبار سے پہلے متروک پھر منکر پھر معلل پھر مدرج پھر مقلوب اور پھر مضطرب کا مقام ہے۔

الاعتبار

لغوی معنیٰ:

اعتبار باب افتعال کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے: ''مختلف امور میں غور وفکر کرنا'' تا کہ کسی چیز جیسی دوسری چیزوں کی معرفت حاصل ہو سکے۔

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں اعتبار سے مراد ہے:

هو تتبّعُ طرق حديثٍ انفرد براويته راوٍ ليعرف هل شاركه في روايته غيره أم لا۔ (تقريب اصطلاح المحدثين: ٨١)

''جب کسی حدیث کی روایت میں کوئی راوی منفرد ہو تو اس کی دیگر اسانید تلاش کرنا تا کہ معلوم ہو سکے کوئی اور بھی اس روایت میں اس کا شریک ہے یا نہیں۔''

تحقیق وتلاش کرنے کا یہ عمل اعتبار کہلاتا ہے۔

تحقیق کے بعد اگر کوئی دوسری روایت مل جائے تو وہ روایت متابعت کہلائے گی اور اگر وہ حدیث کسی دوسرے صحابی کی روایت سے مروی ہے تو وہ شاہد کہلاتی ہے۔

متابعات

لغوی معنیٰ:

متابعت باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے ”پیچھے آنا“ موافقت کرنا۔

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں:

هو ما رُوی بروایاتٍ متعددة عن الثقات۔

(من مذكراتي الخاصة)

”یعنی متابع وہ حدیث ہے جو ثقہ راویوں سے متعدد روایات کے ساتھ مروی ہو۔“

دوسری تعریف:

المتابع هو الحديث الذي يشارك فيه رواته رواة الحديثِ الفرد لفظاً و معنى أو معنى فقط مع الاتحاد في الصحابي۔ (تقريب اصطلاح المحدثين، ص:۸۱)

”متابع وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی منفرد حدیث کے راوی کے ساتھ شریک ہوں۔ خواہ حدیث کا لفظ اور معنی دونوں یکساں ہو یا صرف معنوی یکسانیت ہو، نیز دونوں روایتوں میں صحابی بھی ایک ہو۔“

فائدہ:

اس کے جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر راوی ضعیف ہے تو اس کی حدیث کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے اور اگر راوی ثقہ ہے تو اس کا تفرد ختم ہو جاتا ہے۔

متابعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) متابعت تامہ (۲) متابعت ناقصہ

متابعت تامہ:

متابعت تامہ سے مراد یہ ہے کہ ایک راوی کو دوسرے راوی کے ساتھ شروع سند سے ہی مشارکت حاصل ہو۔

متابعت ناقصہ:

متابعت ناقصہ سے مراد یہ ہے کہ ایک راوی کو دوسرے راوی کے ساتھ درمیان سند سے مشارکت حاصل ہو۔ (تفصیل کے لیے الباعث الحثیث دیکھیں، ص:۵۹)

مثال:

حدثنا یحیٰ بن بکیر قال اخبرنا اللیث عن عقیل عن ابن شھاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ امّ المؤمنین رضی اللہ عنھا أنھا قالت أول ما بُدئ بہ رسول اللہ ﷺ من الوحی الرؤیا الصالحۃ فی النوم......الخ۔

اس حدیث کے آخر میں امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

تابعہ عبداللّٰہ بن یوسف و أبو صالح وتابعہ ھلال بن ردّاد عن الزھری وقال یونس و معمر بوادرۃ

امام بخاریؒ نے پہلی مرتبہ جو "تابعہ" فرمایا اس کا مرجع یحیٰی بن بکیر ہیں اور یہ متابعت تامہ کی مثال ہے۔ کیوں کہ یحیٰی بن بکیر شروع سند میں ہیں اور ان کی متابعت عبداللہ بن یوسف اور ابو صالح دونوں ہی کر رہے ہیں۔

اور دوسری مرتبہ آپؒ نے جو "تابعہ" فرمایا اس کا مرجع "عقیل" ہیں یہ متابعت ناقصہ کی مثال ہے۔ ہلال بن رداد جو امام زہری کے شاگرد ہیں ان کے دوسرے شاگرد عقیل کی متابعت کر رہے ہیں چوں کہ عقیل درمیان سند میں ہیں اس لیے اس کو متابعت ناقصہ کہیں گے اور متابعت میں الفاظ بدل سکتے ہیں لیکن معنی و مفہوم نہیں بدلنا چاہیے۔

شاہد

تعریف:

أن يروى الحديث برواية الثقة أو الثقاتِ ثمَّ يُروى حديث آخر من طريق اخرى بما معناه عن صحابى آخر مسمى شاهداً۔ (من مذكراتى الخاصة)

''اگر ایک حدیث ایک ثقہ راوی کی سند سے یا کئی ثقہ راویوں کی سند سے مروی ہو۔ پھر کسی دوسرے طریق سے کسی دوسرے صحابی سے اسی کے ہم معنی روایت مروی ہوتو وہ ہم معنی روایت شاہد کہلاتی ہے۔''

دوسری تعریف:

هو الحديث الذى يشارك فيه رواته لفظاً و معنى أو معنى فقط مع الاختلاف فى الصحابى۔

(تقريب اصطلاح المحدثين، ص:۸۱)

''شاہد وہ حدیث ہے جو کسی دوسری حدیث کی ہم لفظ اور ہم معنی ہو یا صرف ہم معنی ہو لیکن صحابی بدل جائے۔''

فائدہ:

شاہد کا معنی ہے گواہ۔ اور یہ حدیث دوسری حدیث کی صحت کے لیے گواہ بن جاتی ہے اوراس کوتقویت پہنچاتی ہے۔

نوٹ: اگر مفہوم نہ بدلے تو حدیث شاہد کہلائے گی خواہ لفظ بدل جائے لیکن اگر مفہوم بدل جائے تو اس وقت حدیث فرد کہلائے گی۔ (الباعث الحثیث، ص:۵۹)

فرد یا غریب

تعریف:

هو ما انفرد بروايته راو واحد في كلِّ طبقة أو بعضها.

(تقریب اصطلاح المحدثین، ص:۲۱)

''وہ حدیث جسے روایت کرنے والا صرف ایک شخص ہو، خواہ سند کے ہر طبقے میں راوی منفرد ہو یا بعض میں۔''

نوٹ: زیادہ تر علماء غریب اور فرد کو مترادف مانتے ہیں لیکن کچھ محدثین نے ان دونوں میں فرق کیا ہے اور فرد مطلق کو ''فرد'' اور فرد نسبی کو ''غریب'' سے تعبیر کیا ہے۔

غریب یا فرد کی اقسام:

حدیث غریب یا حدیثِ فرد کی دو قسمیں ہیں:

(۱) غریب مطلق یا فرد مطلق

(۲) غریب نسبی یا فرد نسبی

غریب مطلق یا فردِ مطلق:

غریب یا فردِ مطلق وہ حدیث ہے، جس میں تفرّد اصل سند یعنی ابتدائے سند میں ہو۔ (یعنی صحابی منفرد ہو)

غریب مطلق یا فرد مطلق کی مثال:

حضرت عمر بن خطابؓ کی یہ حدیث: ''**إنما الأعمال بالنيات**'' اس روایت میں عمر بن خطاب منفرد ہیں۔

غریب نسبی یا فردِ نسبی:

غریب یا فردِ نسبی وہ ہے، جس میں تفرّد درمیان سند میں ہو۔

مثال:

حديث مالك عن الزهری عن انس رضی الله عنه أنّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مكة وعلى رأسه المغفر۔

اس حدیث میں مالک، زہری سے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

غریب نسبی یا فردِ نسبی کی اقسام:

غریب نسبی یا فرد نسبی کی درج ذیل چار اقسام ہیں:

(۱) روایت حدیث میں کوئی ثقہ راوی منفرد ہو، محدّثین اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں "لم يروه ثقة إلاّ فلان" یعنی اس کے راویوں میں صرف فلاں راوی ثقہ ہے۔ جبکہ باقی سب ضعیف ہیں۔

(۲) کوئی ایک معین راوی کسی دوسرے معین راوی سے روایت کرنے میں منفرد ہو، محدثین اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں: "تفرّد به فلانٌ عن فلانٍ" یعنی فلاں شخص فلاں سے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اگرچہ دوسرے راویوں سے مزید اسانید ثابت ہوں۔

(۳) کسی علاقے یا شہر کے لوگ کوئی روایت بیان کرنے میں منفرد ہوں۔ یعنی اس علاقے یا شہر کے لوگوں میں اس روایت کا شہرہ ہو مگر دوسرے شہروں کے لوگ اس کی روایت نہ کریں۔

(۴) کسی علاقے یا شہر کے لوگ کسی دوسرے علاقے یا شہر کے لوگوں سے روایت کرنے میں منفرد ہوں۔ محدثین اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں، تفرد به اهل البصرة عن اهل المدينة. یعنی اہلِ بصرہ اس روایت کو اہلِ مدینہ سے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔

غریب یا فرد کی دوسری تقسیم سند اور متن کے اعتبار سے

سند اور متن کے تفرد کے اعتبار سے غریب یا فرد کی دو قسمیں ہیں:

(۱)غریب متناً و اسناداً:

یعنی وہ حدیث جو اپنے متن اور راوی دونوں اعتبار سے غریب ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس مفہوم کی کوئی دوسری روایت سرے سے موجود ہی نہ ہو۔ یا روایات تو موجود ہوں مگر اپنے الفاظ و معانی میں کسی خاص انفرادیت کے ساتھ ساتھ راوی بھی اکیلا ہو۔

(۲)غریب اسناداً لا متناً:

یعنی حدیث اپنی سند کے اعتبار سے منفرد ہو لیکن متن کے اعتبار سے منفرد نہ ہو۔ مثلاً کسی حدیث کے متن کو صحابہ کی ایک جماعت روایت کرتی ہے مگر کوئی ایک تابعی کسی ایک خاص صحابی سے روایت کرنے میں منفرد ہو۔

امام ترمذیؒ جامع ترمذی میں اس صورت کے لیے "غریبٌ من ھذا الوجه" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

غریب احادیث کی مشہور کتب:

(۱) غرائب مالك (امام دار قطنی)

(۲) الأفراد (امام دار قطنی) سو جلدوں میں

(۳) السنن التی تفرّد بکل سنّةٍ منها أهل بلدة. (امام ابوداود)

(۴) "مسند بزار" اور "معجم الأوسط للطبرانی" میں بھی غریب کی بکثرت روایات موجود ہیں۔

زیادة الثقة

تعریف:

إذا تفرّد الراوی بزیادة فی الحدیث عن بقیة الرواة عن شیخ لهم. (الباعث الحثیث، ص:٦١)

''جب راوی حدیث نقل کرنے میں اپنے دوسرے ساتھیوں سے کسی زیادتی کے بارے میں تنہا ہو۔اس کوثقہ کی زیادتی کہتے ہیں۔

مثال:

مقدمہ ابن صلاح میں ابوعمرہ نے یہ مثال پیش کی ہے:

مالك عن نافع عن ابن عمرأنّ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فرض زكاة الفطر من رمضان على كلِّ حرٍّ أو عبدٍ، ذكرٍ أو انثى، من المسلمين.

اس حدیث میں ''من المسلمین'' مالک عن نافع کے زیادات میں سے ہے اور امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی یہ صرف مالک بن انسؒ کی زیادتی ہے۔امام ترمذیؒ جامع ترمذی کے آخر میں کتاب العلل میں فرماتے ہیں کہ ایوب اور عبیداللہ بن عمر اور دیگر ائمہ حدیث نے بھی اس روایت کو''عن نافع عن ابن عمر'' کے طریق سے نقل کیا ہے لیکن ''من المسلمین'' کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

حکم:

ثقہ کی زیادتی مقبول ہے یا نہیں اس سلسلے میں اختلاف ہے:

(۱) اکثر فقہاء کے نزدیک ثقہ کی زیادتی مقبول ہے۔

(۲) اکثر محدثین کے یہاں ثقہ کی زیادتی قابلِ رد ہے۔

(۳) بعض علماء نے ثقہ کی زیادتی قبول کرنے کے لیے کچھ شرائط مقرر کی ہیں۔

ثقہ کی زیادتی قبول کرنے کی شرائط

(۱) فریقین کا حفظ اور ضبط میں برابر ہونا۔

(۲) اگر کوئی شرعی حکم نہ ہو بلکہ کسی جگہ یا وقت کی تحدید وغیرہ ہو تو قابلِ قبول ہے لیکن اگر شرعی حکم کا اضافہ ہے تو قبول نہیں کیا جائے گا۔

(۳) اگر کسی شرعی حکم کا بیان ہے تو اسے قبول کیا جائے گا کیونکہ اسے رد کرنا ثابت شدہ حکم کو معطل کرنا ہے۔

(۴) اگر کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تو قابلِ قبول ہے لیکن مخالفت کی موجودگی میں قابلِ ردّ ہے۔

(۵) زمانے اور مقام کے اختلاف کی صورت میں زیادتی قابلِ قبول ہوگی، لیکن اگر سماع کی مجلس ایک ہے اور تمام شاگردوں نے بیان کیا لیکن صرف ایک نے اضافہ کیا تو قابلِ رد ہے۔

(۶) اگر حکم نہ بدلے تو قابلِ قبول ہے لیکن اگر حکم بدل جائے تو قابلِ رد ہے۔

زیادتی کا محلِ وقوع

(۱) الزيادة في المتن:

کبھی یہ اضافہ متنِ حدیث میں پایا جاتا ہے جیسے متن حدیث میں کسی کلمہ یا جملہ کا اضافہ کر دینا۔

(۲) الزيادة في السند:

کبھی یہ اضافہ سندِ حدیث میں پایا جاتا ہے جیسے کسی موقوف حدیث کو مرفوع بیان کرنا، یا مرسل کو موصول بیان کرنا۔

معلَّل یا معلول

تعریف:

ھو ما روی بسندٍ صحیحٍ ثم اطلع فیه علی علّةٍ قادحةٍ فی جمعه لشروط الصحیح مع أنَّ الظاھر سلامته منھا۔

(من مذکراتی الخاصة)

"معلل وہ حدیث ہے جو صحیح سند کے ساتھ مروی ہو پھر اس میں کسی ایسی علت قادحہ کا پتہ چل جائے جو اس کی صحت سے متعلق ہو حالانکہ بظاہر حدیث صحیح معلوم ہوتی ہو۔"

علّت:

علّت اس مخفی سبب کو کہتے ہیں جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو۔ لیکن اگر غموض نہ ہو اور صحت متاثر نہ ہو تو اسے علّت نہیں کہا جائے گا۔

فنِ علل کی اہمیت:

معلّل یا معلول، حدیث کی نہایت نازک اور تحقیق طلب قسم ہے اور علّتوں کو پہچان لینا بھی نہایت مشکل اور باریک فن ہے۔ وہی اہلِ علم حدیث کی مخفی علّتوں کو پہچان سکتے ہیں، جن کو حدیث کا ذوق ہو اور ہمہ وقت وہ اس میں مشغول رہتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں نکتہ شناس ذہن اور باریک بیں نظر عطا فرمائی ہو۔

کونسی اسناد کی علّت بیان کی جاتی ہے؟

علّت اس سند کی بیان کی جاتی ہے جو بظاہر صحیح کی تمام شرائط اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ کیونکہ ضعیف سند میں مخفی علّتوں کی بحث کی ضرورت نہیں ہوتی۔

علّت کے ادراک کا طریقہ:

علّتوں کا ادراک درج ذیل امور سے کیا جاسکتا ہے:

(۱) راوی کا منفرد ہونا (۲) دوسرے راویوں کی مخالفت

(۳) دیگر قرائن کی بنا پر

علّت کی پہچان کا طریقہ:

علّت پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث کے تمام طرق جمع کیے جائیں پھر راویوں کے اختلاف اور ان کے حفظ وضبط کا مطالعہ کیا جائے۔ پھر معلول روایت پر حکم لگایا جائے۔

علّت کے اقسام:

امام حاکم نے علّت کی دس اقسام ذکر کی ہیں۔ (حاشیہ الباعث الحثیثہ ص:۶۷-۷۱)

(۱) ظاہری طور پر سند صحیح ہو لیکن اس میں کوئی ایسا راوی موجود ہو جس کا سماع اس کے استاد سے ثابت نہ ہو۔

(۲) ایک طریق سے ثقہ راوی کے مطابق حدیث مرسل ہو، لیکن دوسرے طریق سے روایت اس طرح متصل طور پر کی جائے کہ وہ صحیح معلوم ہو۔

(۳) محفوظ روایت صحابی سے ہو، لیکن کسی اور کی طرف منسوب کردی جائے۔

(۴) محفوظ روایت صحابی سے منقول ہو، لیکن تابعی سے روایت کی جائے اور اس طرح وہم ہو کہ سند صحیح معلوم ہو۔

(۵) روایت معنعن ہو اور سند میں سے ایک راوی ساقط ہو اور دوسری اسانید سے یہ وضاحت ہو جائے۔

(۶) کسی راوی اور دوسرے کے بارے میں سندوں میں اختلاف پایا جائے اور صحیح اس سے وہی ہو جو سندوں کے مطابق ہو۔

(۷) کسی راوی کے بارے میں اس کے شیخ کے نام یا جہالت کے حوالے سے اختلاف پایا جائے۔

(۸) کوئی راوی اپنے شیخ سے وہ حدیثیں بیان کرے جو اس نے ان سے سنی نہیں ہیں

حالانکہ اس کی ملاقات اور سماع ثابت ہو، لیکن چونکہ وہ حدیثیں نہیں سنی ہیں اس لیے اگر روایت کرے گا تو کہا جائے گا اس میں علّت یہ ہے کہ سماع ثابت نہیں ہے۔

(۹) کسی حدیث کی سند معروف ہو، لیکن کسی وہم کی بنا پر غیر معروف سند سے بیان کی جائے۔

(۱۰) کوئی حدیث ایک سند سے مرفوع اور دوسری سند سے موقوف بیان کی جائے۔

علّت کا محلِ وقوع

علّت کبھی سند میں پائی جاتی ہے اور کبھی متن میں اور کبھی متن اور سند دونوں میں پائی جاتی ہے۔

مثال:

امام حاکم کی یہ روایت:

عن حجاج بن محمّد قال قال ابن جريج عن موسىٰ بن عقبة عن سهيل بن أبى صالح عن أبيه عن ابى هريرة مرفوعاً قال: من جلس مجلساً كثر فيه لغطه فقال قبل أن يقوم: سبحانك اللّٰهم وبحمدك لا إله إلّا أنت أستغفرك وأتوب إليك، إلا غفر له ما كان فى مجلسه ذلك۔

امام بخاریؒ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: حدثنا به موسىٰ بن اسماعيل حدّثنا وهيب ثنا سهيل عن عون بن عبدالله قوله. پھر فرمایا: یہ سند پہلی روایت کے مقابلے میں بہتر ہے کیونکہ موسیٰ بن عقبہ کا سماع سہیل سے ثابت نہیں ہے۔

اس فن کے مشہور علماء:

اس فن میں بہت کم اہلِ علم نے قدم رکھا ہے، اس فن کے مشہور علماء میں امام احمدؒ، علی بن المدینیؒ، امام بخاریؒ، یعقوب بن ابی شیبہؒ، ابو حاتمؒ، ابوزرعہ الرازیؒ، اور امام دارقطنیؒ شامل ہیں۔

مشہور کتب:

(۱) اس فن کی سب سے جامع اور وسیع کتاب امام دارقطنی کی "العلل الواردة فی الاحادیث النبویة" ہے۔

(۲) کتاب العلل (علی بن مدینی)

(۳) علل الحدیث (ابن أبی حاتم)

(۴) العلل ومعرفة الرجال (احمد بن حنبلؒ)

(۵) العلل الکبیر والعلل الصغیر (امام ترمذی)

مضطرب

لغوی معنیٰ:

اضطراب بابِ افتعال کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے پریشانی، بے چینی۔

اصطلاحی معنیٰ:

أن یختلف الرواة فیه علی شیخ بعینه، أو من وجوه آخر متعادلة لا یترجّح بعضها علی بعضٍ.

(الباعث الحثیث، ص:۷۲)

مضطرب وہ روایت ہے جس میں راوی کسی شیخ کے بارے میں مختلف ہوں یا دوسرے ایک ہی جیسے طرق میں اختلاف ہو، تمام طرق برابر ہوں اور کسی طریق کو دوسرے طریق پر ترجیح نہ دی جاسکتی ہو۔"

دوسری تعریف:

وهو ما روى على أوجه مختلفة متساويةٍ فى القوّة بحيث لايمكن التوفيق بينهما لمساواتهما فى جميع أوجه الترجيح أو عدمها. (تقريب اصطلاح المحدثين، ص: ۶۴)

''مضطرب وہ روایت ہے جو مختلف طرق سے یکساں قوت ومرتبہ کے ساتھ مروی ہو۔ اور ان میں ایسا تعارض ہو کہ کسی طرح تطبیق کی صورت نہ نکلے اور قوت ومرتبہ میں تمام اسانید کی برابری کی وجہ سے کسی بھی اعتبار سے ترجیح کی شکل پیدا نہ ہوتی ہو۔''

حدیث کے مضطرب ہونے کی صورتیں:

حدیث مندرجہ ذیل دو صورتوں میں مضطرب ہوگی:

(۱) حدیث کی روایات کا اختلاف اس طرح کا ہو کہ ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو۔

(۲) روایات کا قوت ومرتبہ میں مساوی ہونا، اس طرح کہ ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو۔

چنانچہ جب ان دونوں میں سے کسی ایک روایت کو راجح قرار دے دیا جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان تطبیق ممکن ہو تو ان دونوں روایات پر عمل کیا جائے گا۔

مضطرب کی اقسام:

مضطرب کی دو اقسام ہیں:

(۱) مضطرب السند یعنی سند میں اضطراب

(۲) مضطرب المتن یعنی متن میں اضطراب

مضطرب السند کی مثال:

حديث أبى بكر: أنّه قال يا رسول الله أراك شبت. قال: شيّبتنى هود و أخواتها. (ترمذی)

امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مضطرب ہے کیونکہ یہ صرف اُبو اسحاق کی سند سے مروی ہے۔ اس کی سندوں میں تقریباً دس اختلاف پائے گئے ہیں بعض مرسل ہیں اور بعض موصول۔ کچھ اسے ابوبکر کی مسند کہتے ہیں تو کچھ سعد کی اور بعض نے اسے عائشہؓ کی مسند بتایا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔

نہ تو کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن ہے اور نہ ہی تطبیق کی کوئی صورت نظر آتی ہے۔

دوسری مثال:

حدّثنا هناد و قتيبة قالا نا وكيع عن اسرائيل عن أبى اسحٰق عن أبى عبيدة عن عبدالله قال خرج النبى ﷺ لحاجته فقال التمس لى ثلثة أحجار قال فأتيتُه بحجرين وروثة فأخذ الحجرين و ألقى الروثةَ وقال إنّها ركس.

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

وهكذا روى قيس بن الربيع هذا الحديث عن أبى اسحاق عن أبى عبيدة عن عبدالله نحو حديث اسرائيل.

وروى معمر و عمّار بن رُزيق عن ابى اسحاق عن علقمة عن عبدالله.

وروى زهير عن أبى اسحٰق عن عبدالرحمن بن الاسود عن أبيه الأسود بن يزيد عن عبدالله.

وروى زكريا بن أبى زائدة عن أبى اسحٰق عن عبدالرحمن بن يزيد عن عبدالله.

اس حدیث میں اضطراب ہے۔ اور وہ اضطراب یہ ہے کہ بنیادی راوی ابو اسحٰق ہیں تو صحابی (یعنی عبداللہ ابن مسعود) اور ابو اسحٰق کے درمیان واسطہ ایک ہے یا دو۔ اور دوسرا اضطراب یہ ہے کہ واسطہ کون ہے؟

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام بخاریؒ (محمد) سے اس کے بارے میں دریافت

کیا تو انھوں نے کچھ نہ فرمایا گویا کہ ان کے نزدیک "زهير عن أبي اسحق عن عبدالرحمن بن الأسود عن أبيه عن عبدالله" والی سند زیادہ صحیح ہے جس کو انھوں نے اپنی کتاب جامع صحیح میں نقل کیا ہے۔

مضطرب المتن کی مثال:

امام ترمذیؒ کی یہ روایت:

عن شريك عن أبي حمزة عن الشعبي عن فاطمة بنتِ قيس رضي الله عنها قالت: سئلَ رسول الله ﷺ عن الزكاة فقال: ان في المال لحقا سوى الزكاة۔

ابنِ ماجہؒ نے اس حدیث کو اسی سند کے ساتھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

ليس في المال حق سوى الزكاة۔

عراقی فرماتے ہیں:

هذا اضطراب لا يحتمل التأويل۔

یعنی اس اضطراب میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اضطراب کس سے واقع ہوتا ہے؟:

(۱) اضطراب کبھی ایک راوی سے واقع ہوتا ہے کیونکہ وہ حدیث کو کئی انداز میں بیان کردیتا ہے۔

(۲) اضطراب کبھی ایک جماعت سے واقع ہوتا ہے کیونکہ مختلف راوی ایک ہی راویت کو مختلف انداز واسلوب میں بیان کردیتے ہیں۔

حدیثِ مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب:

حدیثِ مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں راوی کے غیر ضابط ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔

مشہور تصنیف:

المقترب في بيان المضطرب۔ (حافظ ابنِ حجرؒ)

المدرج

لغوی معنی:

ادراج کا لغوی معنی ہے "کسی چیز کو کسی دوسری چیز میں داخل کرنا۔"

اصطلاحی معنی:

هوما كانت فيه زيادة أدرجها الراوى وليست من الحديث اصلاً سواءٌ كانتِ الزيادة فى المتن أو الإسناد.

(مذكراتى الخاصة)

"مدرج وہ حدیث ہے جس میں راوی نے کوئی ایسا اضافہ کر دیا ہو جو اصل حدیث کا حصہ نہ ہو۔ خواہ وہ اضافہ متن میں ہو یا سند میں۔"

اقسام:

لوگوں نے مدرج کی دو اقسام بیان کی ہیں:

(۱) مدرج فى المتن (۲) مدرج فى السند.

لیکن درحقیقت ادراج متن میں ہوتا ہے۔

مدرج فی المتن:

أن يُدخلَ فى حديثِ رسول الله ﷺ شيئ من كلام بعض الرواة.

"یعنی حدیث رسول ﷺ میں کسی راوی کے کچھ الفاظ داخل کر دیے جائیں۔"

مدرج فی المتن کی اقسام:

مدرج فی المتن کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ابتداء متن میں ادراج

(۲) وسطِ متن میں ادراج

(۳) انتہائے متن میں ادراج

ابتدائے متن میں ادراج کی مثال:

خطیب بغدادی کی روایت:

أبو قطن و شبابة عن شعبة عن محمد بن زياد عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ اسبغوا الوضوءَ ويل للأعقاب من النار۔

اس حدیث میں "اسبغوا الوضوء" حضرت ابوہریرہؓ کے الفاظ ہیں جیسا کہ بخاری کی اس روایت سے اس کی وضاحت ہوتی ہے:

آدم عن شعبة عن محمّد بن زياد عن أبي هريرة قال: "اسبغوا الوضوءَ" فإنّ أبا القاسم ﷺ قال: "ويلٌ للأعقابِ من النار"

خطیب فرماتے ہیں:

وهم أبو قطن و شبابة في روايتهما عن شعبة وقد رواه الجم الغفير كرواية آدم۔ (تقريب اصطلاح المحدثين، ص:۶۰)

وسطِ متن میں ادراج کی مثال:

باب بدء الوحی میں حضرت عائشہؓ کی یہ حدیث:

كان النبي ﷺ يتحنّث في غارِ حراء۔ وهو التعبُّد۔ الليالي ذوات العدد۔

اس حدیث میں "وهو التعبُّد" کے الفاظ زہری کے ہیں۔

انتہائے متن میں ادراج کی مثال:

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ مرفوع حدیث:

للعبد المملوكِ اجرانِ والذي نفسي بيده لولا الجهاد في سبيل

الله والحج وبرّ أمی لأحببتُ أن أموتَ و أنا مملوك۔

اس حدیث میں ''والذی نفسی بیدہ'' سے لے کر آخر حدیث تک ابو ہریرہؓ کے الفاظ ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آپ ﷺ نے یہ کلمات کہے ہوں کیونکہ اولا آپ ؐ کی والدہ محترمہ موجود نہیں تھیں، ثانیاً یہ ممکن نہیں کہ آپ ﷺ غلام ہونے کی تمنا کریں۔

اِدراج کے اسباب:

ادراج کے کئی اسباب ہیں، ان میں سے کچھ مشہور اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) کسی حکمِ شرعی کا بیان۔

(۲) حدیث کے مکمل ہونے سے پہلے حدیث سے کوئی حکمِ شرعی مستنبط کرنا۔

(۳) حدیث میں کسی لفظ غریب کی وضاحت کرنا۔

ادراج کو پہچاننے کے طریقے:

ادراج کو پہچاننے کے کئی طریقے ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) کسی دوسری روایت میں ادراج کی وضاحت ہو جانا۔

(۲) اس فن کے ماہرین نے اس کے بارے میں بیان کر دیا ہو۔

(۳) راوی خود اس بات کا اقرار کر لے کہ اس نے ان الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے۔

(۴) جو بات کہی جائے رسول اللہ ﷺ کی زبان سے ان الفاظ کا ادا ہونا ناممکن ہو۔

ادراج کا حکم:

ادراج حرام ہے۔ لیکن اگر کسی غریب لفظ کی تفسیر بیان کرنے کے لیے کیا گیا ہو تو وہ جائز ہے۔ اسی لیے زہری اور دیگر ائمہ نے ایسا کیا بھی ہے۔

مشہور کتابیں:

(۱) الفصل للوصل المدرج فی النقل: خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

(۲) تقریب المنهج بترتیب المدرج: ابن حجر (۸۵۲ھ)

یہ کتاب خطیب بغدادی کی کتاب کی تلخیص اور اس پر اضافہ ہے۔

موضوع

تعریف:

الخبر الموضوع هو الذی نسبه الکذّابونَ المفترونَ إلی رسولِ الله ﷺ وهو شرُّ الأحادیث الضعیفة و أقبحها.

(تقریب اصطلاح المحدثین، ص:۴۹)

''خبر موضوع وہ ہے جس کو جھوٹے افتراء پردازوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کردیا ہو اور یہ ضعیف احادیث کی بدترین قسم ہے۔''

بیان کرنے کا حکم:

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حقیقت واضح کیے بغیر ایسی حدیث کو بیان کرنا جائز نہیں ہے۔ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

من حدّث عنی بحدیثٍ یری أنّه کذبٌ فهو أحد الکاذبین۔

وضّاعین کا طریقہ کار:

(۱) افترا پرداز کبھی کوئی اچھا سا کلام اپنی طرف سے بنا کر خود ساختہ سند کے ذریعہ بیان کردیتا ہے۔

(۲) بعض اوقات افترا پرداز کسی حکیم یا دانشمند کا کوئی عمدہ سا قول لے کر کسی خود ساختہ سند کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کے نام سے روایت کردیتا ہے۔

موضوع حدیث کی پہچان:

درج ذیل کیفیات سے کسی حدیث کے موضوع ہونے کی خبر ہوسکتی ہے:

(۱) حدیث وضع کرنے والا خود اقرار کرلے۔ مثال کے طور پر ابوعصمہ نوح بن ابی مریم نے اقرار کیا تھا کہ اس نے قرآن مجید کی ایک سورۃ کی فضیلت میں حضرت

ابنِ عباسؓ کے نام سے احادیث وضع کی ہیں۔

اور جب اس سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو اس نے بتایا کہ جب میں نے فقہ ابوحنیفہ اور مغازی محمد بن اسحٰق میں لوگوں کی مشغولیت اور قرآن سے اعراض دیکھا تو میں نے یہ احادیث اللہ سے اجر کی امید کرتے ہوئے وضع کیں۔

اسی طرح عبدالکریم بن ابی العوجاء کو جب محمد بن سلیمان نے ۱۵۳ھ میں قتل کا حکم صادر کیا تو اس نے اس بات کا اقرار کیا کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی ہیں، جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا۔

(۲) اتفاق سے کوئی ایسی بات گھڑنے والے کی زبان سے نکل جائے جو اس کے اقرار و اعتراف کے قائم مقام ہو۔ مثال کے طور پر جس شیخ سے وہ روایات بیان کرتا ہے، اس سے اس کی ولادت کے متعلق معلوم کیا جائے۔ تو وہ اپنی بیان کردہ تاریخ وفات سے پہلے کی کوئی تاریخ بیان کردے اور اس شخص سے بیان کردہ روایت بھی صرف اسی کے پاس ہو۔

(۳) راوی میں ذاتی طور پر کوئی ایسا قرینہ پایا جائے جو اس کی روایت کے موضوع ہونے پر دلیل ہو۔ مثال کے طور پر: راوی خود رافضی ہو اور اس کی بیان کردہ روایت کا تعلق فضائل اہل بیت سے ہو۔

(۴) روایت میں کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس کے موضوع ہونے پر دلیل ہو۔ مثلاً:

(الف) متن عقلی طور پر قابلِ قبول نہ ہو اور اصولوں کے خلاف ہو۔

(ب) متنِ حدیث میں چھوٹے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب کی خوشخبری ہو یا معمولی سے گناہ پر بہت بڑے عذاب کی وعید ہو۔

(ج) حدیث کے الفاظ فصاحت و بلاغت کے معیار پر پورے نہ اترتے ہوں۔

(د) متنِ حدیث تاریخی حقائق کے مخالف ہو۔

(ہ) متنِ حدیث قرآن کے مخالف ہو۔

(و) وہ حدیث انبیائے کرام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو چہ جائیکہ رسول اللہ ﷺ

کے کلام سے مشابہ ہو۔

(ز) وہ تمام احادیث موضوع ہیں جن میں حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

(ح) مخصوص دنوں یا مخصوص راتوں میں عبادت کے بارے میں احادیث موضوع ہیں۔

(ط) نیند کے بارے میں احادیث مثلاً: جو عصر کے بعد سویا اس کی عقل خبط ہو جائے گی، اس کے لیے وہ سوائے اپنے آپ کے، کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

(ی) یومِ عاشورہ کو روزہ رکھنے کی تاکید کے علاوہ سرمہ لگانے، زینت کرنے اور نماز پڑھنے وغیرہ کے بارے اکثر احادیث موضوع ہیں۔

وضع حدیث کے اسباب

(۱) فرط الجہالۃ:

وضع حدیث کا ایک سبب لوگوں کی جہالت رہا ہے۔ بعض اوقات واضع اپنی دانست میں لوگوں کو نیکی اور خیر کی ترغیب دینے اور منکرات سے روکنے کا حریص ہوتا ہے۔ اس لیے کچھ باتیں احادیث کی صورت میں بیان کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ بظاہر زاہد اور صوفی منش ہوتے ہیں یہ بدترین وضاع شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ظاہری زہد و تقویٰ کے باعث لوگ ان کی باتوں کو بہت جلد قبول کر لیتے ہیں۔ میسرہ ابن عبدربہ ایک ایسا ہی واضع حدیث ہے۔ امام ابن حبان ''کتاب الضعفاء'' میں ابنِ مہدی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے میسرہ سے پوچھا کہ وہ یہ احادیث کہاں سے لاتا ہے کہ اگر کوئی فلاں چیز پڑھے تو اسے اتنا اجر و ثواب ہے وغیرہ۔ اس نے جواب دیا کہ یہ باتیں میری خود ساختہ ہوتی ہیں اس طرح میں لوگوں کو نیکی کی طرف راغب کرتا ہوں۔

(۲) اپنے مذہب کی تائید و تقویت:

خوارج اور روافض نے اپنے مسلک کے فروغ اور اپنی سیاست کی تائید کے لیے احادیث وضع کی ہیں جیسا کہ یہ حدیث:

علیٌّ خیرُ البشرِ من شكَّ فیه كفر۔

(۳) اسلام پر عیب لگانے کی سازش:

زنادقہ جب علی الاعلان اسلام کی مخالفت نہ کر سکے تو محاسنِ اسلام کو مسخ کرنے کے لیے انھوں نے احادیث وضع کیں، جیسا کہ معروف زندیق محمد بن سعید سامی کی روایت:

عن حمید عن أنس مرفوعاً "أنا خاتم النبیین لا نبیَّ بعدی إلا أن یشاء اللّٰہ۔"

اس حدیث میں إلا ان یشاء اللّٰہ کے الفاظ موضوع ہیں اور مدّعیانِ نبوت کے لیے میدان ہموار کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔

چودہ ہزار احادیث زنادقہ نے وضع کی ہیں۔ (قاله حماد بن زید، الباعث الحثیث، ص:۸۴)

(۴) حکام وقت سے قریب ہونے کی خواہش:

جیسا کہ غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی جب عباسی خلیفہ مہدی کے ہاں گیا تو دیکھا کہ وہ کبوتروں سے کھیل رہا ہے اس نے جاتے ہی خلیفہ کو یہ موضوع حدیث سنائی کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

لا سبق إلّا فی نصلٍ أو خف أو حافر أو جناح۔

اس نے مہدی کی خوشی کے لیے کلمہ "جناح" کا اضافہ کر دیا مہدی کو اس خود ساختہ اضافہ کا علم ہو گیا اور اس نے کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور کہا:

أنا حملته علی ذلك. (میں نے اس شخص کو یہ خود ساختہ الفاظ فرمانِ رسول ﷺ میں اضافہ کرنے پر ابھارا ہے۔)

(۵) حصولِ معاش:

بعض واعظ اور قصہ گو عوام میں بے سر و پا روایات بیان کرتے تھے، جن میں عجیب سا تجسس ہوتا تھا اس طرح وہ عامۃ المسلمین کی توجہ حاصل کرتے تھے اور لوگ ان کے تقویٰ کے پیش نظر ان کی مالی خدمت کر دیتے تھے۔ ابو سعید المدائنی کا نام اسی صف کے لوگوں میں شامل ہے۔

(۶) شہرت طلبی:

بعض وضّاعین نے شہرت حاصل کرنے کے لیے ایسی موضوع غریب احادیث پیش

کیں جو کسی شیخ الحدیث کے پاس نہ تھیں اور انھوں نے حدیث کی سند بھی الٹ پلٹ کر ڈالی تاکہ اس میں استغراب پیدا ہو جائے اور لوگ اس روایت کو ان سے سننے کے خواہشمند ہوں۔ مثال کے طور پر ابن ابی دحیہ اور حماد نصیبی نے ایسا کیا ہے۔

وضع حدیث میں فرقۂ کرّامیہ کا مذہب

ایک مبتدع فرقہ، کرّامیہ کا مذہب یہ ہے کہ ترغیب و ترہیب کی غرض سے احادیث وضع کرنا جائز ہے۔

استدلال:

ان کا استدلال ایک مشہور حدیث: "من كذب عليَّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النارِ" سے ہے کیونکہ ایک روایت میں لیضل الناس کے الفاظ زائد ہیں اور یہ لوگ ان الفاظ کی آڑ لے کر نیکی کی ترغیب کے لیے احادیث وضع کر لینے کو جائز گردانتے ہیں۔

مگر ان کا یہ اضافہ انتہائی پوچ ہے کیونکہ صحیح اسانید سے مذکورہ الفاظ کا اضافہ ثابت نہیں ہے اور حفاظِ حدیث اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے ایک اور اندازِ جواز نکالنے کی کوشش کی ہے کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کے فائدے کے لیے جھوٹ بولتے ہیں آپؐ کے خلاف جھوٹ نہیں بولتے" ان کے نزدیک اس حدیث میں جو وعید آئی ہے وہ صرف رسول اللہ ﷺ کے خلاف جھوٹ بولنے پر آئی ہے۔

ان کا یہ استدلال بھی انتہائی لغو ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی پیش کردہ شریعت اس قدر صاف ستھری اور نکھری ہوئی ہے کہ اس میں کسی جھوٹ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ شریعت کی اشاعت کے لیے کسی قسم کے جھوٹے لوگوں کی کوئی ضرورت ہے۔

لہٰذا کرّامیہ کا یہ خیال باطل ہے اور امام جوینی تو اس قدر سخت ہیں کہ ان کے بقول واضع حدیث کافر ہے۔

بعض مفسرین کی غلطی:

بعض مفسرین سے بھی یہ خطا ہوئی ہے کہ انھوں نے موضوع احادیث کا عیب بیان کیے

بغیر اپنی تفاسیر میں وہ روایات نقل کردی ہیں۔ خاص طور سے فضائل قرآن کے ذیل میں ابی بن کعب کی وہ روایات جو قرآن کی ایک ایک سورت کے لیے وضع کی گئی ہیں۔ ان مفسرین کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) ثعلبی (۲) واحدی (۳) زمخشری

(۴) بیضاوی (۵) شوکانی

مشہور کتب:

(۱) **کتاب الموضوعات (ابن جوزی)**

یہ اس فن کی قدیم ترین کتاب ہے لیکن کمی یہ ہے کہ احادیث پر موضوع کا حکم لگانے میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ بعض ضعیف احادیث کو بھی موضوع کہہ دیا گیا ہے، اس لیے اس کتاب پر تنقید و تعاقب بھی ہوا ہے۔

(۲) **اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة: جلال الدین سیوطی**

یہ ابنِ جوزی کی مذکورہ بالا کتاب کی تلخیص اور تعاقب ہے اور جو احادیث ابن جوزی کو نہ مل سکیں اس کتاب میں ان کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۳) **تنزیہ الشریعة المرفوعة عن الأحادیثِ الشنیعة المصنوعة: ابن العراق الکنانی ۹۶۳ھ**

یہ کتاب مذکورہ دونوں کتابوں کی تلخیص ہے مگر اپنے طور پر نہایت جامع اور مرتب تالیف ہے۔

(۴) **الأباطیل: حافظ أبو عبداللّٰہ الحسین بن ابراھیم الجوزقانی ۵۴۳ھ**

(۵) **ترتیب الموضوعات: حافظ الذھبی**

(۶) **تذکرة الموضوعات: محمد بن طاھر الصدیقی الفتنی ،۹۸۶ھ**

(۷) **تذکرة الموضوعات: محمد بن طاھر المقدسی، ۵۰۷ھ**

(۸) **الفوائد المجموعة فی الأحادیث الموضوعة: محمد بن یوسف شامی ۹۴۲ھ**

(۹) **الموضوعات الکبریٰ: ملاّ علی قاری (۱۰۱۴ھ)**

مقلوب

لغوی معنی:

مقلوب کا لغوی معنی ہے "پلٹا ہوا۔"

اصطلاحی معنی:

هو ما قُلِبَ اسناده أو متنه بتركيب اسناد حديثٍ على متن حديث آخر۔ (مذكراتي الخاصة)

"مقلوب وہ حدیث ہے جس کی سند یا متن کو اس ترکیب سے بدلا جائے کہ ایک حدیث کی سند دوسری حدیث کے متن پر آجائے۔"

دوسری تعریف:

هو إبدال لفظٍ بآخر فی سندِ الحديث أو متنه بتقديمٍ أو تأخير و نحوه۔ (تقريب اصطلاح المحدثين، ۶۱)

"سند حدیث یا متنِ حدیث میں ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے بدل دیا جائے تو وہ حدیث مقلوب کہلاتی ہے۔"

اقسام:

حدیث مقلوب کی دو قسمیں ہیں:

(۱) مقلوب السند (۲) مقلوب المتن

مقلوب السند:

مقلوب السند وہ حدیث ہے جس کی سند میں تبدیلی کردی گئی ہو اس کی دو صورتیں ہیں:

(الف): کسی راوی کے نام میں تقدیم و تاخیر کی تبدیلی کردی جائے مثلاً: کعب بن مرّۃ کو مرۃ بن کعب یا سعد بن معاذ کو معاذ بن سعد کہہ دیا جائے۔

حکم:

یہ تبدیلی صحتِ روایت پر اثر انداز نہیں ہوتی اور نہ اس کے مرتکب پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

(ب): کسی ایک راوی کی جگہ اسی کے طبقے میں سے کوئی اور راوی ذکر کردیا جائے تا کہ انفرادیت پیدا ہو جائے مثلاً: حدیث سالم بن عبداللہ کی روایت سے مشہور ہو لیکن سالم کی جگہ نافع کا نام ذکر کردیا جائے۔

حکم:

اگر یہ تبدیلی عمداً کی جائے تو حرام ہے اور اگر کسی وہم کا نتیجہ ہے تو اس کی سند پر شذوذ یا منکر کا حکم لگایا جائے گا۔

مثال:

حماد بن عمرو النصیبی نے اس طرح کی تبدیلیاں کی ہیں۔ اسی کی بیان کردہ یہ روایت ہے:

عن الاعمش عن ابی صالح عن أبی هريرة مرفوعاً: "إذا لقيتم المشركين فی طريق فلا يبدؤهم بالسلام."

یہ روایت: ''عن سهل بن أبی صالح عن أبيه عن أبی هريرة.'' سے ہے لیکن حماد نے اس میں تبدیلی کردی اور سہیل کی جگہ اعمش کا نام رکھ دیا ہے۔ اس قسم کی تبدیلی حدیث میں چوری کرنے کے مترادف ہے۔

مقلوب المتن:

مقلوب المتن وہ حدیث ہے جس کے متن میں تبدیلی کردی گئی ہو، اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

(الف): راوی متنِ حدیث کے کچھ حصہ میں تقدیم و تاخیر کی تبدیلی کردے۔

مثال:

ابو ہریرہؓ کی وہ حدیث جس میں ان سات خوش نصیب لوگوں کا تذکرہ ہے جن پر قیامت کے دن اللہ اپنے عرش کا سایہ فرمائے گا۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

ورجل تصدق بصدقة فأخفاهم حتی لا تعلم شماله ما تنفق يمينه.

اس حدیث کو روایت کرنے میں بعض راویوں سے تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور انھوں نے

حتی لا تعلم یمینه ما تنفق شماله بیان کردیا ہے۔

(ب): دوسری صورت یہ ہے کہ راوی ایک حدیث کے متن کو دوسری حدیث کی سند کے ساتھ بیان کرے اور اس کی سند کو کسی اور حدیث کے متن سے جوڑ دے۔

مثال:

لوگ اکثر امتحان و آزمائش کی غرض سے ایسا کرتے ہیں جیسا کہ اہلِ بغداد نے امام بخاریؒ کے امتحان کی غرض سے سو احادیث میں اس طرح کی تبدیلی کی تھی اور امام بخاریؒ نے ان تمام احادیث کو صحیح صحیح بیان کیا ان میں سے ایک حدیث میں بھی غلطی نہ کی۔

قلب کے اسباب:

(۱) حدیث میں انفرادیت وندرت پیدا کرنے کی کوشش، تاکہ لوگ اس کی حدیث کو روایت کرنے کے خواہاں ہوں۔

(۲) کسی کے حفظ وضبط پر یقین کی غرض سے اس کو آزمانا۔

(۳) بغیر قصد غلطی سے تقدیم وتاخیر کی تبدیلی واقع ہو جانا۔

حکم:

(۱) اگر انفرادیت وندرت کی غرض سے حدیث میں قلب کیا گیا ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے حدیث میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے اور یہ وضّاعین کا عمل شمار ہوگا۔

(۲) اگر امتحان کی غرض سے ایسا کیا گیا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے بشرطیکہ مجلس برخاست ہونے سے پہلے صحیح بات کی وضاحت کردی جائے۔

(۳) اگر غلطی سے یا سہواً ایسا ہوگیا ہے تو راوی معذور ہے لیکن اس کی کثرت راوی کے ضبط پر اثر انداز ہوگی اور راوی کو ضعیف قرار دیا جائے گا۔ (تفصیل کے لیے الباعث الحثیث دیکھیں)

حدیث مقلوب کا حکم:

حدیثِ مقلوب ضعیف ومردود ہے۔

مشہور کتابیں:

رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والألقاب: خطیب بغدادی

معنعن

تعریف:

المعنعن هو قول الراوی فلانٌ عن فلانٍ.

''محدثین کی اصطلاح میں جب کوئی راوی سند حدیث میں فلانٌ عن فلانٍ استعمال کرے تو وہ روایت معنعن کہلاتی ہے۔''

مثال:

ابن ماجہ کی روایت:

حدثنا عثمان بن أبی شیبة ثنا معاویة بن هشام ثنا سفیان عن اسامة بن زیدٍ عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ إنّ الله وملٰئکته یصلّونَ علی میامن الصفوف.

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: اللہ کے رسول ﷺ سے روایت ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے داہنی صفوں پر درود بھیجتے ہیں۔''

عنعنہ:

حدیث بیان کرنے کا یہ طریقہ روایتِ عنعنہ کہلاتا ہے۔

حدیث معنعن منقطع ہے یا متصل؟

اس سلسلے میں دو رائے ہیں:

(۱) بعض لوگوں کے نزدیک جب تک اس کا متصل ہونا واضح نہ ہو جائے تب تک یہ منقطع کہلائے گی البتہ اتصال واضح ہونے کے بعد یہ متصل شمار کی جائے گی۔

(۲) جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ روایتِ عنعنہ کچھ شرائط کے ساتھ متصل کہلاتی ہے۔

وہ شرائط درج ذیل ہیں:

حدیث معنعن کے متصل ہونے کی شرائط:

(۱) حدیث عنعنہ بیان کرنا والا مدلِس نہ ہو۔

(۲) راوی نے جس شخص سے حدیثِ عنعنہ بیان کی ہے اس شخص سے راوی کی ملاقات ممکن بھی ہو۔

بعض جمہور علماء کا شرائط میں اضافہ:

جمہور علماء میں سے بعض نے مذکورہ بالا دو شرائط کے ساتھ مزید تیسری شرط شامل کردی ہے جو درج ذیل ہے:

(۱) ملاقات کا ثبوت: یہ امام بخاریؒ اور علی بن المدینی وغیرہ کی شرط ہے۔

(۲) عرصہ دراز تک شیخ کی ہم نشینی: یہ ابن مظفر سمعانی کا قول ہے۔

(۳) راوی کا اپنے شیخ سے روایت کرنے میں معروف ہونا: (معرفته بالرواية عنه) یہ ابن عمر الدانی کا قول ہے۔

مؤنّن

لغوی معنی:

یہ صیغہ اَنَّنَ فعل سے اسمِ مفعول ہے یعنی جو شخص اپنی بات میں أنَّ أنَّ کا استعمال کرے۔

اصطلاحی تعریف:

وهو قول الراوی حدّثنا فلانٌ أنّ فلاناً.

حدیث مؤنَن سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنی روایت بیان کرتے ہوئے یوں کہے:

حدّثنا فلان أنّ فلاناً قال.“

مؤنن روایت متصل ہے یا منقطع؟

امام احمد اور دیگر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ جب تک اس کا اتصال ثابت نہ ہوجائے تب تک یہ منقطع ہے۔

جمہور علماء محدثین، فقہاء اور اصولیین کی رائے یہ ہے کہ روایتِ مؤنن کا حکم بالکل روایتِ معنعن کی طرح ہے یعنی جو شرائط معنعن کے متصل ہونے کے لیے عائد کی گئی ہیں۔ وہی شرائط مؤنن کے متصل ہونے کے لیے بھی عائد کی جائیں گی۔

متفق علیہ شرائط:

(۱) راوی مدلّس نہ ہو (۲) راوی کا مروی عنہ سے لقاء ممکن ہو۔

مختلف فیہ شرائط:

(۱) راوی کا مروی عنہ سے لقاء ثابت ہو۔

(۲) ان کی آپس میں طویل صحبت رہی ہو۔

(۳) راوی اپنے شیخ سے روایت کرنے میں معروف ہو۔

مرسل خفی

تعریف:

هو أن يروىَ عمن لقيه أو عاصره ما لم يسمع منه بلفظ يحتمل السماع وعدَمَه.

(تقریب اصطلاح المحدثین، ص:۴۷)

''محدثین کی اصطلاح میں مرسل خفی وہ حدیث ہے جس میں راوی اپنے کسی ہم عصر یا ملنے والے سے کوئی ایسی روایت بیان کرے جو اس نے اس سے نہ سنی ہو۔ مگر الفاظ ایسے استعمال کرے جس میں سننے اور نہ سننے کا احتمال ہو۔''

مثال:

عمر بن عبدالعزیزؒ کے طریق سے ابن ماجہ کی یہ روایت:

عـمـر بن عبدالعزيز عن عقبة بن عامر مرفوعاً: رحم الله حارس الحرس۔

اس حدیث میں عمر بن عبدالعزیزؒ، عقبہ بن عامرؓ سے روایت کررہے ہیں جبکہ ان کی ملاقات عقبہ بن عامر سے ثابت نہیں ہے جیسا کہ امام مزیؒ نے واضح کیا ہے۔

مرسلِ خفی کا علم کیسے ہوتا ہے؟

مرسلِ خفی کو پہچاننے کے درج ذیل طریقے ہیں:

(۱) کوئی امام فن اس بات کی صراحت کردے کہ اس راوی کی مروی عنہ سے نہ تو ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی سماع ثابت ہے۔

(۲) راوی خود اس بات کا اعتراف کرے کہ میں فلاں شیخ سے نہیں ملا یا میں نے اس سے نہیں سنا۔

(۳) وہ روایت کسی اور سند سے بھی منقول ہو اور اس میں اس راوی اور مروی عنہ کے درمیان کوئی اور راوی بھی موجود ہو۔ مگر یہ صورت مختلف فیہ ہے کیونکہ دوسری سند کا "المزيد في متصل الأسانيد" میں سے ہونا ممکن ہے۔

مرسلِ خفی کا حکم:

ایسی روایت ضعیف شمار ہوتی ہے، کیونکہ وہ منقطع کی ایک قسم ہے۔

مشہور کتابیں:

كتاب التفضيل لمبهم المراسيل: خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

المزید فی متّصل الأسانید

تعریف:

وهو زيادة راوٍ فی أثناء سندٍ ظاهرة الاتصال.

(تقريب اصطلاح المحدثين، ۶۳)

''**المزید فی متصل الاسانید** سے مراد یہ ہے کہ بظاہر متصل نظر آنے والی سند کے درمیان کوئی راوی زائد ہو۔''

مثال:

ابنِ مبارک کی یہ روایت:

ابن المبارك قال: حدّثنا سفيان عن عبد الرحمن بن يزيد حدّثنی بُسر بن عبيد الله قال سمعتُ أبا إدريس قال سمعتُ واثلة يقولُ سمعتُ أبا مرثدٍ يقولُ سمعتُ رسول الله ﷺ يقول: لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا إليها۔

''تم قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ہی ان پر نماز پڑھو۔''

اس حدیث کی سند میں دو مقام پر زیادتی ہے۔

پہلی زیادتی:

پہلی زیادتی لفظ ''سفیان'' کی ہے اور یہ اس شخص کا وہم ہے جس نے اس کو ابن مبارک سے روایت کیا ہے کیونکہ ثقہ راویوں کی ایک کثیر تعداد نے ''سفیان'' کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ اس طرح بیان کیا ہے:

عن ابن المبارك عن عبدالرحمن بن يزيد

اور کچھ علماءِ فن نے اس کی وضاحت بھی کر دی ہے۔

دوسری زیادتی:

دوسری زیادتی لفظ ''أبا ادریس'' کی ہے اور یہ ابنِ مبارک کا وہم ہے کیونکہ ثقہ راویوں کی ایک تعداد نے اس کو عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کیا ہے لیکن ''أبا ادریس'' کا ذکر نہیں کیا ہے۔

اور ان میں سے کچھ علماءِ فن نے یہ وضاحت کردی ہے کہ بسر بن عبیداللہ کا سماع واثلۃ سے ثابت ہے۔

المزید فی متّصل الأسانید مقبول ہے یا غیر مقبول؟

''المزید فی متصل الاسانید'' کی زیادتی دو شرائط کے ساتھ رد کردی جاتی ہے:

(۱) زیادتی نہ کرنے والا راوی زیادہ ثقہ ہو بمقابلہ زیادتی کرنے والے کے۔

(۲) علماءِ فن نے زیادتی کے مقام پر سماع کی وضاحت کردی ہو۔

اگر ان دونوں شرائط میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو پھر ثقہ کی زیادتی کو ہی ترجیح دی جائے گی اور سند زیادتی سے خالی ''مرسل خفی'' یا دوسرے لفظوں میں ''منقطع خفی'' کہلائے گی۔

کیونکہ علماء ''زیادتی'' پر وہم کا حکم اسی وقت لگاتے ہیں جبکہ کوئی قرینہ اس زیادتی پر دلالت کردے۔

مشہور تصنیف:

کتاب تمییز المزید فی متّصل الأسانید: خطیب بغدادی

مصحف

تعریف:

وهو تغيير الكلمة فى الحديث إلى غير ما رواها الثقات لفظاً أومعنى. ولا يقومُ بكشفها إلَّا الحذّاق من الحفّاظِ.

(تقريب اصطلاح المحدثين، ص:٦٦)

''مصحف سے مراد وہ حدیث ہے جس کے کلمہ میں کوئی ایسی لفظی یا معنوی تبدیلی کردی جائے جس کو ثقہ راویوں نے روایت نہ کیا ہو۔ اور ماہر حفاظِ حدیث ہی اس تبدیلی کو پہچان سکتے ہوں۔''

مصحف کی اقسام:

مصحف کو تین اعتبار سے تقسیم کیا جاتا ہے:

(۱) تصحیف باعتبارِ محل (۲) تصحیف باعتبارِ فاعل یعنی راوی

(۳) تصحیف باعتبارِ لفظ یا معنی

تصحیف باعتبارِ محل اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) سند میں تصحیف (ب) متن میں تصحیف

سند میں تصحیف کی مثال:

حدیث شعبہ عن العوام بن تراجم (براء مهملة وجيم معجمة) یحیٰ بن معین نے اس میں تصحیف کردی ہے اور عوام بن مراجم کو ''عوام بن مزاحم'' نقل کردیا ہے۔

متن میں تصحیف کی مثال:

سنن ترمذی کی یہ روایت:

حدّثنا على بن خشرم نا عبدالله بن وهب نا عمرو بن الحارث عن حبّان بن واسع عن أبيه عن عبدالله بن زيد أنّه

رأى النبي ﷺ توضّأ وأنّه مسح رأسه بماءٍ غيرِ فضلِ يديه۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور ابن لهيعة نے بھی اس حدیث کو "عن حبان بن واسع عن أبيه عن عبدالله بن زيد" کی سند سے اس طرح روایت کیا ہے:

أن النبيَّ ﷺ توضّأ وأنّه مسح رأسه بماءٍ غَبَرَ فضل يديه۔

یعنی ابن لهيعة نے غیر کے بجائے "غبر" بیان کیا ہے جو "بقی" کے معنی میں ہے اس طرح ابن لھیعہ کی روایت سے یہ بات پتہ چل رہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے سر کا مسح اس پانی سے کیا جو آپ ﷺ کے ہاتھوں پر باقی رہ گیا تھا۔" جبکہ "عمرو بن الحارث عن حبان" کی روایت یہ بتارہی ہے کہ "آپ ﷺ نے نیا پانی ہاتھوں پر لے کر اس سے سر کا مسح کیا۔"

لیکن امام ترمذیؒ کے نزدیک "عمرو بن الحارث عن حبان" کی روایت ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ حدیث عبداللہ بن زید سے دوسرے طرق سے بھی مروی ہے کہ "آپ ﷺ نے سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا تھا۔" اور اکثر علماء نے اسی پر عمل بھی کیا ہے اور ان کی رائے بھی یہی ہے کہ سر کے مسح کے لیے نیا پانی لیا جائے گا۔

لہٰذا ابن لہیعہ کی یہ روایت تصحیف فی المتن کی مثال ہے۔

دوسری مثال:

حدیث "**زيد بن ثابت أن النبي ﷺ احتجر في المسجد.**" اس حدیث میں بھی ابن لیہعۃ نے متن میں تصحیف کردی ہے اور احتجر کے بجائے "**احتجم.**" نقل کیا ہے۔ جس سے حدیث کے مفہوم میں تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔

تصحیف باعتبارِ فاعل یعنی موجد:

تصحیف باعتبارِ موجد کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصحیفِ بصر **(۲) تصحیف سمع**

تصحیفِ بصر:

تصحیف بصر سے مراد یہ ہے کہ تحریر خراب ہونے کی وجہ سے یا نقطے موجود نہ ہونے کی وجہ سے قاری کی نگاہ پر تحریر مشتبہ ہو جائے۔ تصحیف کی یہ قسم حدیث میں اکثر پائی جاتی ہے۔

مثال:

"من صام رمضان واتبعه ستاً من شوال" أبوبکر صولی نے اس حدیث میں 'ستاً' کے بجائے "شیئاً" کی تصحیف کردی ہے۔

دوسری مثال:

صلاةٌ فی إثرِ صلاةٍ کتابٌ فی علیین

"نماز کے بعد میں نماز علیین میں لکھی گئی ہے۔"

بغداد میں کچھ نظامی مدرّسین اس حدیث کو اس طرح پڑھتے ہیں:

صلاة فی إثر صلاةٍ کنازٌ فی غلسٍ۔

"نماز کے بعد میں نماز تاریکی میں ذخیرہ ہے۔"

تصحیفِ سمع:

سامع کے دور ہونے کی وجہ سے یا قوتِ سماعت کمزور ہونے کی وجہ سے اس طرح کی تصحیف واقع ہوجاتی ہے۔

مثال:

وہ حدیث جو "عاصم الاحول" سے مروی ہے اس میں بعض لوگوں نے "عاصم الاحول" کے بجائے "واصل الأحدب" نقل کردیا ہے۔

تصحیف باعتبارِ لفظ یا معنی:

اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) تصحیف باعتبار لفظ (۲) تصحیف باعتبار معنی

تصحیف باعتبار لفظ:

تصحیف باعتبار لفظ سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے الفاظ میں تصحیف کردی جائے جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں لفظی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔

تصحیف باعتبار معنی:

تصحیف باعتبارِ معنی سے مراد یہ ہے کہ راوی کوئی ایسی تفسیر بیان کردے جو معنی مراد کے

خلاف مفہوم پر دلالت کرے۔

مثال:

ایک حدیث میں یہ بات آتی ہے کہ:

أنَّ النبیَّ ﷺ صلّی إلی عنزةَ.

یعنی ''نبی کریم ﷺ نے عنزہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔''

اس حدیث میں عنزہ سے مراد ''حربہ'' یعنی وہ برچھی ہے جو مصلّی کے سامنے نصب کی جاتی ہے۔ لیکن ابوموسیٰ کو یہ وہم ہوگیا کہ آپ ﷺ نے ان کے قبیلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی چنانچہ ان کا یہ قول ہے:

نحن قوم لنا شرف نحن من عنزة صلّی إلینا رسول الله ﷺ

''ہماری قوم کو ایک شرف حاصل ہے ہم عنزہ سے ہیں آپ ﷺ نے ہماری طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے۔''

چنانچہ ابوموسیٰ عنزی کی یہ تفسیر تصحیف معنوی کی مثال ہے۔

کیا تصحیف اثر انداز ہوگی؟

اگر کسی راوی سے شاذ و نادر ہی تصحیف ہوئی ہو تو یہ اس کے ضبط پر اثر انداز نہ ہوگی کیونکہ کوئی بھی شخص تھوڑی بہت خطا اور تصحیف سے محفوظ نہیں ہوتا۔

لیکن اگر کوئی راوی کثرت سے تصحیف کرتا ہو تو یہ تصحیف اس کے ضبط پر اثر انداز ہوگی۔

تصحیف کا زیادہ تر سبب:

زیادہ تر کتابوں سے احادیث کا مطالعہ کرنے اور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہ کرنے کی وجہ سے احادیث میں تصحیف ہو جاتی ہے اسی لیے علماء نے اس شخص سے روایت نقل کرنے پر متنبہ کیا ہے، جس نے صرف کتابوں اور صحیفوں سے علم حدیث حاصل کیا ہو۔

مشہور کتابیں:

(۱) التصحیف: دار قطنی ۳۸۵ھ
(۲) إصلاح خطأ المحدّثین: خطابی ۳۸۸ھ
(۳) تصحیفات المحدّثین: أبو احمد العسکر ۳۸۳ھ

راوی اور اس کی مقبولیت کی شرائط

راوی کی مقبولیت کی دو بنیادی شرطیں ہیں

(۱) عدالت (۲) ضبط

عدالت:

عدالت سے مراد یہ ہے کہ راوی میں درج ذیل صفات موجود ہوں:

(۱) مسلمان ہو (۲) عاقل ہو (۳) بالغ ہو

(۴) فسق کے اسباب سے محفوظ ہو (۵) مکمل انسانی اقدار کا حامل ہو۔

ضبط:

ضبط سے مراد یہ ہے کہ راوی میں درج ذیل پانچ صفات موجود ہوں:

(۱) ثقہ کی مخالفت نہ کرتا ہو (۲) حافظہ کمزور نہ ہو

(۳) بھونڈی/ فاش غلطی نہ کرتا ہو (۴) غائب دماغ نہ ہو

(۵) کثیر الاوہام نہ ہو

راوی کی عدالت کیسے ثابت ہوتی ہے؟

راوی کی عدالت درج ذیل دو امور میں سے کسی ایک سے ثابت ہو جاتی ہے:

(۱) علماءِ جرح و تعدیل یا پھر کسی ایک عالمِ جرح و تعدیل کی وضاحت سے راوی کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔

(۲) راوی کی شہرت و مقبولیت بھی راوی کی عدالت کو ثابت کر دیتی ہے۔ چنانچہ اگر اہلِ علم کے درمیان کسی راوی کی عدالت معروف ہے تو وہ کسی معدِّل کی تعدیل کا محتاج نہ ہوگا جیسے ائمہ اربعہ، سفیان ثوری، امام اوزاعی وغیرہ۔

کیا جرح و تعدیل دونوں بغیر وضاحت کے قبول کی جاسکتی ہیں؟

الف: صحیح اور مشہور قول کے مطابق راوی کی تعدیل اس کا سبب واضح کیے بغیر قبول کر لی جائے گی کیونکہ تعدیل کے بہت سارے اسباب ہوتے ہیں، ان سب کو بیان کرنا دشوار ہوتا ہے۔

ب: لیکن جرح اس وقت تک مقبول نہ ہوگی جب تک اس کا سبب بیان نہ کیا جائے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس کا سبب بیان کرنا دشوار نہیں ہوتا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جرح کے اسباب میں علماء کا اختلاف بھی ہے۔

جرح اور تعدیل کے ثبوت کے لیے افراد کی تعداد:

صحیح قول کے مطابق جرح اور تعدیل دونوں ایک شخص کے قول سے ثابت ہو جاتی ہیں۔ اور ایک قول کے مطابق دو افراد کی گواہی ضروری ہے۔

جب ایک راوی میں جرح اور تعدیل دونوں جمع ہو جائیں:

جب ایک راوی کے اندر جرح اور تعدیل دونوں جمع ہو جائیں تو صحیح قول کے مطابق جرح کو مقدم کرتے ہوئے روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ بشرطیکہ جرح کے اسباب واضح کر دیے گئے ہوں۔

عادل کا روایت بیان کرنا یا کسی عالم کا اس روایت پر عمل کرنا تعدیل کو ثابت کرے گا یا نہیں؟

اگر کوئی عادل راوی کوئی حدیث روایت کر دے یا کوئی عالم اس کی بیان کی ہوئی حدیث پر عمل کرے تو ان دونوں باتوں سے راوی کی تعدیل ثابت نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ باتیں روایت کی صحت پر دلیل بن سکتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی عالم کی مخالفت کسی حدیث کی صحت کو یا اس کے راوی کو مجروح نہیں کر سکتی۔

فسق سے تائب ہونے والے راوی کی روایت:

فسق سے تائب ہو جانے والے راوی کی روایت مقبول ہوگی بشرطیکہ اس کا فسق رسول اللہ ﷺ پر بہتان طرازی نہ ہو۔ کیونکہ جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ گڑھنے والا شخص مرتد ہے اسے قتل کیا جائے گا۔

احادیث کے بیان پر اجرت لینے والا شخص:

اس سلسلے میں تین آراء ہیں:

(۱) پہلی رائے امام احمد، اسحٰق، ابو حاتم اور انھیں جیسے دوسرے لوگوں کی ہے کہ احادیث کے بیان پر اجرت لینے والے شخص کی روایت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ اس میں انسانی شرافت کی کمی ہے۔

(۲) ابو نعیم الفضل بن دکین اور علی بن عبدالعزیز اور بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک ایسے شخص کی روایت مقبول ہے۔

(۳) فقیہ عراق ابو اسحٰق شیرازی کا فتویٰ ہے کہ اگر راوی علمِ حدیث میں مشغولیت کی وجہ سے اپنے اہل وعیال کی کفالت نہ کر سکے تو اس کے لیے اجرت لینا جائز ہے۔

غفلت اور حدیث اخذ کرنے میں سستی اور بہت زیادہ بھولنا:

(۱) اس شخص کی روایت غیر مقبول ہے جو احادیث کے سننے یا سنانے میں تساہل کی وجہ سے معروف ہو، مثال کے طور پر راوی کا سماع کے وقت سو جانا، یا کسی ایسے نسخے سے حدیث بیان کرنا جس کو جانچا نہ گیا ہو۔

(۲) اس شخص کی روایت بھی غیر مقبول ہے جو حدیثوں کے استاذ سے اخذ کرنے میں سستی کرتا ہو اور بغیر تحقیق کے حدیث اخذ کر لیتا ہو۔

(۳) اس شخص کی روایت بھی غیر مقبول ہے جو کثرتِ سہو کی وجہ سے معروف ہو۔

اگر راوی حدیث بیان کرنے کے بعد بھول جائے:

اگر کوئی راوی اپنے شاگرد سے حدیث بیان کرنے کے بعد بھول جائے تو اس کا درج ذیل حکم ہے:

(۱) حدیث مردود ہوگی جبکہ راوی قطعی الفاظ میں اس کو بیان کرنے سے انکار کر دے۔ مثال کے طور پر کہے "ما رویتہٗ" یعنی میں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا ہے۔

(۲) جمہور کے نزدیک حدیث مقبول ہوگی اس وقت جب کہ راوی متردّد ہو۔ مثال کے طور پر کہہ دے "لا اذکرہ" (مجھے یہ یاد نہیں آ رہی ہے) لیکن بعض حنفی علماء کے

نزدیک یہ بھی مردود ہوگی۔

مثال: سلمان بن موسیٰ عن الزهری عن عروة عن عائشة کی یہ روایت:

أيما إمرأة نكحت بغير إذنِ وليّها فنكاحها باطل۔

ابنِ جریج فرماتے ہیں کہ میں نے زہری سے ملاقات کی اور اس حدیث کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انھوں نے اس روایت کو نہیں پہچانا۔

هل يعتبر ردّ الشيخ الحديث قادحاً في واحد منهما۔

کیا شیخ کا کسی حدیث کو بیان کرنے سے انکار استاد یا شاگرد میں سے کسی کو مجروح کرے گا؟

اگر استاد کسی حدیث کو بیان کرنے سے انکار کردے تو یہ انکار استاد یا شاگرد میں سے کسی کی شخصیت کو مجروح نہیں کرتا کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی طعن کا مستحق نہیں ہے۔

مثال: ابوداوٗد ترمذی اور ابن ماجہ میں ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن بن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرۃ کی سند سے یہ حدیث موجود ہے:

أن رسولَ الله صلى الله عليه وسلم قضى باليمين مع الشاهد۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ فرمایا"

عبدالعزیز بن محمد الدراوردی فرماتے ہیں کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے سہیل کی سند سے مجھ سے یہ حدیث بیان کی تو میں نے سہیل سے ملاقات کی اور اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے اس حدیث کو نہیں پہچانا۔ تو میں نے انھیں بتایا کہ ربیعہ نے یہ حدیث مجھ سے آپ کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس واقعہ کے بعد سے سہیل اس طرح کہنے لگے:

حدثني عبدالعزيز عن ربيعة عنّي أنّي حدثتُه عن أبي هريرة مرفوعاً هكذا۔ (۱)

مشہور تصنیف:

كتاب "اخبار من حدّث ونسى (خطيب بغدادى)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث اور تقریب اصطلاح المحدثین

کتبِ جرح وتعدیل

جرح وتعدیل کے موضوع پر بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں جو مختلف اقسام پر مشتمل ہیں۔ ماہر علماءِ فن نے پوری باریک بینی، وضاحت اور وقت وحالات کی تحدید کے ساتھ ان کتابوں کو تصنیف کیا ہے اور رواۃِ حدیث کا مکمل تعارف نہایت واضح انداز میں اس طرح اپنی اپنی انسائیکلوپیڈیا میں محفوظ کردیا ہے کہ آج کی ترقی یافتہ قومیں اس کے قریب تک نہ پہنچ سکیں۔

جرح وتعدیل کے موضوع پر بڑی اور مشہور کتابیں

(۱) التاریخ الکبیر: (امام بخاری) یہ ثقہ اور ضعیف راویوں کے موضوع پر عام کتاب ہے۔

(۲) الجرح والتعدیل: (ابن ابی حاتم ۳۵۴ھ) یہ کتاب بھی ثقہ اور ضعیف راویوں کے موضوع پر عام ہے۔

(۳) الکامل فی الضعفاء: (ابن عدی) یہ کتاب ضعیف راویوں کے تراجم کے لیے خاص ہے۔

(۴) الثقات: (ابن حبان ۳۵۴ھ) یہ کتاب ثقات کے تراجم کے لیے خاص ہے۔

(۵) الکمال فی اسماء الرجال: (عبدالغنی المقدسی ۶۰۰ھ) صحاح ستہ کے رجال پر خاص ہے۔

(۶) تہذیب الکمال: (مزی ۷۴۲ھ)

(۷) تہذیب التہذیب: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

(۸) میزان الاعتدال: (ذہبی ۷۴۸ھ) یہ کتاب ضعفاء اور متروکین کے موضوع پر خاص ہے۔

جرح وتعدیل کے مراتب

جرح وتعدیل دونوں کے علیحدہ علیحدہ چھ مراتب ہیں:

تعدیل کے مراتب اوراس کے الفاظ:

بالترتیب تعدیل کے مراتب اور اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

(۱) تعدیل کا سب سے اعلیٰ مرتبہ وہ ہے جو توثیق میں مبالغہ پر دلالت کرے یا افعل کے وزن پر ہو جیسے:

فلانٌ إليه المنتهى فى الثبتِ یا فلانٌ أثبتُ الناس.

(۲) تعدیل کا دوسرا مرتبہ: تعدیل کے الفاظ کو صفاتِ توثیق میں سے کسی ایک یا دو صفات کے ساتھ مؤکد کر دیا جائے جیسے:

ثقة ثقةٌ یا ثقةٌ ثبتةٌ

(۳) تعدیل کا تیسرا مرتبہ: تعدیل کے الفاظ کسی ایک ایسی صفت کے ساتھ بیان کیے جائیں جو بغیر تاکید کے راوی کی توثیق پر دلالت کریں جیسے "ثقة" یا "حجةٌ"

(۴) تعدیل کا چوتھا مرتبہ: تعدیل کے الفاظ اس طرح ادا کیے جائیں جو راوی کے ضبط کا احساس دلائے بغیر تعدیل پر دلالت کریں جیسے:

صدوق محله الصدق یا لا بأس به

ابنِ معین جب یہ الفاظ ادا کرتے ہیں تو ان کے نزدیک ثقہ راوی ہوتا ہے۔

(۵) تعدیل کا پانچواں مرتبہ: کسی راوی کے لیے ایسے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں جو نہ تو راوی کی توثیق پر دلالت کریں اور نہ ہی اس کی تجریح پر دلالت کریں جیسے:

فلان شیخٌ یا روى عنه الناس

(۶) تعدیل کا چھٹا مرتبہ: کسی راوی کے لیے ایسے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں جو جرح سے قریب محسوس ہوں جیسے:

فلان صالح الحديث یا يُكتَبُ عنه الحديثُ.

مراتب تعدیل کا حکم:

(۱) تعدیل کے اول تین مراتب راویوں کی تعدیل پر حجت ثابت ہوں گے۔

(۲) چوتھا اور پانچواں مرتبہ راوی کی تعدیل پر حجت نہیں بنے گا البتہ ایسے راویوں کی حدیث کو لکھا جائے گا پھر ضابط ثقہ راویوں کی احادیث سے ملا کر ان کو جانچا جائے گا۔ اگر ان کی روایات ثقہ راویوں کی روایات کے موافق ہوں تو ان کی حدیث حجت بنے گی ورنہ نہیں۔

(۳) چھٹا مرتبہ راوی کی تعدیل پر حجت ثابت نہیں ہوگا البتہ ان کی حدیث صرف اعتبار کی غرض سے لکھی جائے گی لیکن جانچی نہیں جائے گی کیونکہ راوی کا غیر ضابط ہونا ظاہر ہے۔

جرح کے مراتب اور اس کے الفاظ

جرح کے بالترتیب مراتب اور ان کے الفاظ درج ذیل ہیں:

(۱) جرح کا پہلا مرتبہ: ایسے الفاظ سے راوی پر جرح کی جائے جو نرمی پر دلالت کریں اور یہ جرح کا سب سے ہلکا طریقہ ہے جیسے:

فلان ليّنُ الحديث یا فيه مقال

(۲) جرح کا دوسرا مرتبہ: ایسے الفاظ سے جرح کی جائے جس سے عدم احتجاج یا اسی طرح کی دوسری باتوں کی صراحت ہو جائے جیسے:

فلان لا يحتجُ به. ضعيف (یہ ضعیف راوی ہیں)

له مناكير (یہ منکر الاحادیث ہیں)

(۳) جرح کا تیسرا مرتبہ: ایسے الفاظ سے راوی پر جرح کی جائے جن سے اس راوی کی حدیث کو نہ لکھنے یا اسی جیسی دوسری باتوں کی وضاحت ہو جائے جیسے:

فلان لا يكتب حديثه (فلاں کی حدیث نہیں لکھی جائے گی)

لا تحل الروايةُ عنه (اس سے روایت جائز نہیں ہوگی)

ضعيف جداً (بہت ہی ضعیف ہے)

(۴) جرح کا چوتھا مرتبہ: ایسے الفاظ سے راوی پر جرح کی جائے جن میں جھوٹ کی تہمت یا اسی جیسی کوئی دوسری بات ہو جیسے:

فلان متّهم بالكذب (فلاں پر جھوٹ کا الزام ہے)

فلان متّهم بالوضع (فلاں پر احادیث وضع کرنے کا الزام ہے)

فلانٌ يسرق الحديثَ (فلاں حدیث چراتا ہے)

فلان ساقط　　فلان متروك　　فلان ليس بثقة

(۵) جرح کا پانچواں مرتبہ: جرح ایسے الفاظ سے کی جائے جو راوی کے جھوٹ یا اسی جیسی کسی دوسری چیز سے متصف ہونے پر دلالت کریں جیسے:

فلانٌ كذّابٌ　　فلانٌ دجالٌ

فلانٌ وضّاعٌ　　فلانٌ يكذب

فلانٌ يضعُ

(۶) جرح کا چھٹا مرتبہ: ایسے الفاظ سے راوی پر جرح کی جائے جو کذب میں مبالغہ پر دلالت کریں جیسے:

فلان أكذب الناس　　هو ركن الكذب

إليه المنتهى فى الكذبِ

<u>ان احادیث کا حکم:</u>

ایسے راوی جن پر جرح کی گئی ہو ان کی بیان کردہ احادیث کا درج ذیل حکم ہے:

(۱) جرح کے پہلے دو مراتب میں راوی کی بیان کردہ حدیث حجت تو نہیں بنے گی البتہ صرف اعتبار کی غرض سے اسے لکھا جائے گا۔ اور دوسرے مرتبے کی جرح پہلے مرتبے کی جرح سے کمتر شمار ہوگی۔

(۲) آخری چار مراتب میں راوی کی بیان کردہ روایت نہ تو حجت بنے گی اور نہ ہی اسے لکھا جائے گا۔

تحمل حدیث یعنی حدیث سننے کی شرط

تحملِ حدیث کے لیے صلاحیت وتمیز پہلی شرط ہے اور یہ صلاحیت بات کو سمجھنے اور جواب دینے سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ تحملِ حدیث کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے اور نہ ہی اسلام اور بلوغ کی شرط لگائی گئی ہے۔

البتہ حدیث کو بیان کرنے کے لیے اسلام اور بلوغ دونوں شرط ہیں۔

بعض لوگوں کے نزدیک تحملِ حدیث کی شرائط:

بعض لوگوں نے تحملِ حدیث کے لیے بیس سال عمر کی شرط لگائی ہے بعض نے دس سال اور بعض نے تیس سال عمر کی شرط لگائی ہے۔ لیکن صحیح بات یہی ہے کہ تحملِ حدیث کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں ہے بلکہ تمیز شرط ہے۔

دلیل:

صحیح بخاری میں محمود بن ربیع کی یہ روایت موجود ہے:

أنه قال عقلت من النبی ﷺ مجّة مجّها فی وجهی وأنا ابن خمس سنین من دلوٍ. (البخاری، کتاب العلم)

''حضرت محمود بن الربیع سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی وہ کلی یاد ہے جو آپؐ نے ڈول سے پانی لے کر میرے منہ پر کی تھی اور اس وقت میں پانچ سال کا تھا۔''

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تحمل حدیث کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں بلکہ تمیز شرط ہے۔

اسی طرح عبداللہ بن عمر بھی کم سن صحابی تھے۔ بے شمار احادیث جو انھوں نے اپنے بچپن میں رسول اللہ ﷺ سے سنی تھیں انھیں بیان کیا ہے۔

نعمان بن بشیر بھی کم سن راوی تھے ان سے بھی رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے:

الحلال بيّن والحرام بيّن وبينهما مشبهات لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى المشبّهات استبرأ لدينه وعرضه، من وقع فى الشبهات كراع يرعى حول الحمى يوشك أن يواقعه ألا وإنّ فى الجسد مضغة إذا صلحت صلح الجسد كله وإذا فسدت فسد الجسد كله ألا وهى القلب.

(البخاری)

''حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی، اور دونوں کے درمیان کچھ مشکوک اور غیر واضح چیزیں ہیں، جنھیں بہت سے لوگ نہیں جانتے، پس جو ان مشکوک چیزوں سے بچا اس نے اپنے دین اور آبرو کو بے داغ رکھا اور جو ان مشکوک چیزوں میں پڑ گیا وہ حرام میں پڑ گیا، اس چرواہے کی طرح جو اپنے جانوروں کو رکھت کے گرد چراتا ہے اور قریب ہے کہ جانور رکھت چر لیں، ہر بادشاہ کے لیے ایک رکھت ہے اللہ کی رکھت اس کے محرمات ہیں۔ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ اچھا ہے سارا جسم اچھا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ گیا۔ وہ دل ہے۔''

ان دلائل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تحملِ حدیث کے لیے عمر کی کوئی قید نہیں اور امام نوویؒ کے نزدیک بھی تحمل حدیث کے لیے تمیز کی صلاحیت کافی ہے۔ خواہ وہ پانچ سال کا بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

تحمل حدیث کی اقسام اور ادائیگی کے صیغے

تحملِ حدیث کی آٹھ اقسام ہیں:

(۱) السماع من لفظ الشيخ	(۲) القرأة على الشيخ
(۳) الإجازة	(۴) المناولة
(۵) الكتابة	(۶) الإعلام
(۷) الوصية	(۸) الوجادة

(۱) السماعُ من لفظ الشیخ:

السماع من لفظ الشیخ کا مطلب ہے ''شیخ سے براہِ راست سننا'' یعنی شیخ پڑھے اور طالبِ علم سنے، خواہ شیخ نے اپنے حافظہ سے پڑھا ہو یا اپنی کتاب سے پڑھا ہو اور خواہ طالبِ علم نے شیخ سے سنی ہوئی حدیث کو لکھا ہو یا نہ لکھا ہو۔ سماع کی یہ تمام کیفیات یکساں ہیں۔

جمہور کے نزدیک سماع تحملِ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

(۱) امام بخاریؒ اور سفیان بن عیینہؒ کے نزدیک سماع کے لیے تمام الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں: **سمعتُ، حدّثني، أخبرني، أنبأني، قال لي، ذكرلي** وغیرہ۔

(۲) لیکن علماءِ مشرق کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سماع کے لیے ''**سمعتُ**'' یا ''**حدّثني**'' کے الفاظ خاص ہیں۔

(۳) اکثر محدثین کے نزدیک سماع کے لیے ''أنبأنا'' کے الفاظ استعمال نہیں کیے جائیں گے کیونکہ ''**انبأنا**'' براہِ راست لقاء کو ثابت نہیں کرتا اس لیے اس سے روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تحملِ حدیث کی تمام اقسام کی ادائیگی کے لیے جب تک الفاظ کی تخصیص نہیں ہوئی تھی اس وقت تک سماع کے لیے ہر طرح کے الفاظ رائج تھے۔ لیکن بعد میں تحملِ حدیث کی ہر قسم کی ادائیگی کے لیے کچھ خاص الفاظ کی تخصیص کر دی گئی جو درج ذیل ہیں:

سماع کے لیے:	**سمعت یا حدثني**
قراءۃ کے لیے:	**أخبرني**
اجازت کے لیے:	**أنبأني**
سماعِ مذاکرہ کے لیے:	**قال لي، یا ذكرلي**

نوٹ: سماعِ مذاکرہ سے مراد وہ سماع ہے جس میں شیخ اور طالب علم مجلس کے انعقاد سے

پہلے کوئی تیاری نہ کریں جبکہ سماعِ تحدیث میں استاد اور شاگرد دونوں مجلس کے انعقاد سے پہلے تیاری کرتے ہیں۔

(۲) القرأة على الشيخ يا عرض (۱)

قرأة على الشيخ کا معنیٰ ہے "استاد کو حدیث پڑھ کر سنانا"

اس کا طریقہ یہ ہے کہ طالب علم اپنی کتاب سے یا اپنے حافظہ سے استاد کے سامنے شیخ کی مرویات پڑھے اور شیخ سنے۔ یا پھر کوئی دوسرا طالبِ علم اپنے حافظہ یا کتاب سے شیخ کی مرویات شیخ کو پڑھ کر سنائے اور وہ بھی سنے۔

سماع کا کیا مقام و مرتبہ ہے، اس سلسلے میں علماء حدیث کی مختلف آراء ہیں:

(۱) پہلی رائے: امام مالک امام بخاری اور کوفہ و حجاز کے اکثر علماء کے نزدیک "قرأة على الشيخ" کا درجہ "سماع" کے برابر ہے۔

(۲) دوسری رائے: اہلِ مشرق کے جمہور کے نزدیک یہ سماع سے کم تر ہے۔

(۳) تیسری رائے: امام ابوحنیفہ، ابن ابی ذوئب اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک بھی یہ سماع سے افضل ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

(۱) سب سے زیادہ محتاط طریقہ یہ ہے کہ "قرأتُ على فلانٍ" یا "قرئ عليه وأنا اسمع فأقرَّ به" کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

(۲) یہ بھی جائز ہے کہ سماع کی عبارت بیان کرنے کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جو لفظِ "قرأة" کے ساتھ مقید ہوں جیسے "حدثنا قرأة عليه"

(۳) اکثر محدثین کے یہاں "أخبرنا" کا لفظ سماع کے لیے رائج ہے۔ (۲)

---

(۱) عرض کا مطلب یہ ہے کہ طالب علم کے پاس استاذ کی کوئی روایت یا صحیفہ پہلے سے موجود ہے، اب طالب علم استاذ کو سنا کر اس کی اجازت چاہتا ہے، اس کا نام عرض ہے۔ قرأت کے لیے عرض ضروری نہیں۔

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثيث

(۳) الإجازة

اجازت سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو حدیث روایت کرنے کی تحریری یا زبانی اجازت دے دے۔ مثلاً استاد اپنے شاگرد سے کہے کہ میں نے تمہیں اجازت دی کہ تم مجھ سے صحیح بخاری روایت کر سکتے ہو۔

اجازت کی اقسام:

اجازت کی بہت ساری اقسام ہیں، جن میں سے کچھ اہم اقسام درج ذیل ہیں:

(۱) شیخ کسی متعین کتاب کی اجازت کسی متعین طالبِ علم کو دے۔ مثال کے طور پر کہے کہ تمہیں اجازت ہے کہ تم صحیح بخاری روایت کر سکتے ہو۔ اور یہ اجازت کی سب سے اعلیٰ قسم ہے جو مناولہ سے خالی ہے۔

(۲) شیخ کسی متعین طالب عالم کو غیر متعین کتب کی اجازت دے۔ مثلاً کہے کہ میں تمہیں اپنی سنی ہوئی تمام روایات کو بیان کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(۳) شیخ غیر متعین کتابوں کی عمومی اجازت دے دے، مثلاً یوں کہے کہ میں اپنے اہلِ زمانہ کو اپنی سنی ہوئی تمام روایات بیان کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(۴) شیخ کسی مجہول کتاب کی یا مجہول فرد کو اجازت دے۔ مثلاً یوں کہے: ”میں کتاب سنن کی اجازت دیتا ہوں۔“ (جبکہ اس نے سنن کی کئی کتابوں سے روایات بیان کی ہوں)۔ یا پھر یوں کہے کہ میں ”خالد دمشقی کو اجازت دیتا ہوں۔“ (جبکہ اس نام کے کئی افراد ہوں اور ان میں امتیاز نہ کیا جا سکتا ہو۔)

(۵) معدوم کو اجازت دی جائے مثلاً: شیخ کہے کہ میں نے فلاں کو اور اس کی ہونے والی اولاد کو اجازت دی۔

حکم:

اجازت کی ان تمام اقسام میں سے پہلی قسم کی روایت جائز ہے اور اس پر عمل صحیح ہے جبکہ بقیہ تمام اقسام کے جواز کے بارے میں علماء میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

(الف) اجازت کی روایت کو بیان کرنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ راوی کہے: أجازني فلان.

(ب) سماع اور قرأۃ کے الفاظ کو اجازت کے لفظ کے ساتھ مقید کرکے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ جیسے راوی کہے: "حدثنا إجازة" یا "أخبرنا إجازة"

(ج) متاخرین کی اصطلاح میں "أنبأنا" کے الفاظ خاص ہیں۔(١)

(٤) المناولة

لغوی معنیٰ:

مناولۃ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے: "دینا"۔

اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاح میں مناولہ سے مراد ہے "استاد کا طالب علم کو اپنی مرویات کی کتاب دینا۔"

مناولہ کی اقسام:

مناولہ کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مناوله مقرونة بالإجازة:

مناولہ مقرونہ بالا جازہ سے مراد یہ ہے کہ استاد اپنے شاگرد کو اپنی مرویات کی کتاب دے اور کہے کہ "یہ فلاں شخص سے میری مرویات ہیں، تم اسے مجھ سے روایت کر سکتے ہو۔" خواہ استاد نے وہ کتاب شاگرد کی ملکیت میں دے دی ہو یا پھر نقل کرنے کے لیے عاریتاً دی ہو۔

(ب): مناولة مجرّدة عن الإجازة:

مناولہ مجردۃ عن الاجازۃ سے مراد وہ مناولہ ہے جو اجازت سے خالی ہو یعنی استاد اپنے

---

(١) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث

شاگرد کو اپنی مرویات کی کتاب دے اور اجازت کے الفاظ اپنی زبان سے ادا نہ کرے بلکہ صرف اتنی بات پر اکتفا کرے کہ "یہ میری مسموعات ہیں۔"

حکم:

الف: مناولہ مقرونہ بالاجازۃ کو روایت کرنا جائز ہے لیکن مرتبہ اور مقام کے اعتبار سے تحمل حدیث کی یہ قسم سماع اور قرأۃ علی الشیخ سے کم تر ہے۔

ب: البتہ صحیح قول کے مطابق مناولہ مجردہ عن الاجازہ کی روایت جائز نہیں ہوتی۔

ادائیگی کے الفاظ:

مناولہ مجرّدہ عن الإجازہ کی روایت کو بیان کرنے کے لیے "ناولنی" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ مناولہ مقرونہ بالإجازہ کے ذریعہ ملی ہوئی روایت کو "ناولنی وأجازنی" کے الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے۔(۱)

(۵) الكتابة / المكاتبة

تعریف:

المكاتبة: أن يكتب الشيخ بعض حديثه لمن حضر عنده أو لمن غاب عنه، ويرسله إليه وسواء كتبه بنفسهِ أم أمرَ غيره أن يكتبه، ويكفى أن يعرف المكتوب له خطَّ الشيخِ، أو خط الكاتب عن الشيخ، ويشترط فى هذاأن يعلم أن الكاتب ثقة۔ (الباعث الحثيث، ص۱۰۵)

"مکاتبت (کتابت) سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی کچھ احادیث حاضر شاگرد کو لکھ کر دے یا غائب شاگرد کو لکھ کر بھیج دے، خواہ اس نے خود لکھا ہو یا کسی دوسرے کو لکھنے کا حکم دیا ہو، اور مکتوب لہ کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ اپنے شیخ کے یا شیخ کے

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث

کاتب کی تحریر پہچان لے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مکتوب لہ یہ جانتا ہو کہ کاتب ثقہ ہے۔"

کتابت یا مکاتبت کی اقسام

کتابت یا مکاتبت کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مکاتبة مقرونة بالإجازة:

مکاتبۃ مقرونۃ بالإجازۃ سے مراد وہ مکاتبہ ہے جس میں شیخ تحریر بھیجنے کے ساتھ اس کو بیان کرنے کی اجازت بھی دے دے مثلاً اس طرح لکھے یا کہے: "اجزتک ما کتبت لک"، یعنی جو روایات میں نے تمہارے لیے تحریر کی ہیں میں تمہیں ان روایات کو بیان کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(ب) مکاتبة مجرّدة عن الإجازة:

مکاتبة مجرّدة عن الإجازة سے مراد یہ ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو اپنی بعض مرویات لکھ کر تو دے مگر ان کو بیان کرنے کی اجازت کا کوئی تذکرہ نہ کرے۔

حکم:

(۱) مکاتبة مقرونة بالإجازة کو روایت کرنا مکتوب لہ کے لیے بالکل درست ہے صحت وقوت کے اعتبار سے اس کا درجہ مناولہ مقرونہ بالاجازۃ کے برابر ہے۔

(۲) مکاتبہ مجرّدۃ عن الاجازہ کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں لیکن صحیح بات یہی ہے کہ اس کو روایت کرنا بھی مکتوب لہ کے لیے درست ہے کیونکہ لکھ کر بھیجنے میں اجازت کا معنی اور اشارہ پایا جاتا ہے۔

تحریر پر اعتماد کے لیے مہر یا دلیل کی شرط

بعض لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ تحریر پر اعتماد کے لیے مہر یا کوئی دلیل ہونا ضروری ہے لیکن صحیح بات یہی ہے کہ مکتوب لہ کا کاتب کے خط کو پہچان لینا اور ذریعہ کا معتبر ہونا ہی کافی ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

(الف) کتابت کے الفاظ کی وضاحت کردی جائے۔ مثلاً:

كتب عليَّ فلان (فلاں نے مجھے لکھ کردیا)

(ب) سماع کے الفاظ کو لفظ کتابۃ کے ساتھ مقید کرکے بھی بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً:

حدّثنى فلان كتابة يا أخبرنى كتابة

(٦) الإعلام

تعریف:

إعلام الشيخ أنَّ هذا الكتاب سماعه من فلان، من غير أن يأذن له فى روايته عنه. (۱)

''شیخ اپنے شاگرد کو یہ بتائے کہ یہ کتاب فلاں راوی سے اس نے سنی ہے، لیکن شاگرد کو اسے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔''

اعلام کے ذریعے ملنے والی حدیث کو روایت کرنے کا جواز

اکثر علماء نے اعلام کے ذریعے ملنے والی حدیث کو روایت کرنے کا جواز فراہم کیا ہے۔ لیکن بعض علماء حدیث کے نزدیک ایسی حدیث کو روایت کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

ادائیگی کے الفاظ:

اعلام کے ذریعے ملنے والی حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ "اعلمنى شيخى بكذا'' (یعنی میرے شیخ نے مجھے بتایا) کے الفاظ استعمال کیے جائیں۔

---

(۱) الباعث الحثیث، ص ۱۲۶

(۲) الباعث الحثیث، ص ۱۲۶

(۷) الوصيّة

تعریف:

هو أن يوصى الشيخ عند موته أو سفره لشخصٍ بكتابٍ من كتبه التى يرويها۔ (۱)

"وصیۃ سے مراد یہ ہے کہ شیخ اپنی موت یا سفر کے وقت کسی شخص کو اپنی کتابوں میں سے وہ کتاب دینے کی وصیت کردے جس سے وہ روایت بیان کیا کرتا تھا۔"

حکم:

(الف) قاضی عیاض اور اکثر محدثین، فقہا اور اصولیین کے نزدیک "وصیۃ" کے ذریعے ملی ہوئی حدیث کو روایت کرنا جائز ہے کیونکہ وصیت میں خود ایک طرح کی اجازت موجود ہے۔ یہاں تک کہ اگر شیخ اس کو روایت کرنے سے منع بھی کردے تب بھی اس کو روایت کرنا صحیح ہے، کیوں کہ شیخ نے خود ان روایات کو بیان کیا ہے۔

(ب) بعض لوگوں کے نزدیک وصیۃ کے ذریعے ملی ہوئی روایت کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ شیخ نے اس کو روایت کرنے کی وصیت نہیں کی ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

وصیت کے ذریعہ جو روایات ملی ہوں ان کو بیان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کہا جائے:

أوصى إلىَّ فلانٌ بكذا (مجھے فلاں نے اس کی وصیت کی)

یا

حدثنى فلانٌ وصيةً

---

(۱) تقریب اصطلاح المحدثین، ص۹۴

(۸) الوجادة

لغوی معنیٰ:

"وجادة" وَجَدَ یَجِدُ کا مصدر ہے۔ عمرو بن صلاح نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ یہ مصدر ہے اور لوگوں نے بھی اس کو مصدر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ لیکن عربوں سے وَجَدَ یَجِدُ کا یہ مصدر نہیں سنا گیا ہے۔

لوگ اس مصدر کو درج ذیل معنی کے لیے استعمال کرتے ہیں:

فیما أخِذَ منَ العلمِ من صحیفةٍ من غیر سماع ولا اجازةٍ ولا مناولةٍ (۱)

"جو علم کسی صحیفہ سے بغیر سماع بغیر اجازت اور بغیر مناولہ کے حاصل کیا گیا ہو۔"

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں وجادۃ سے مراد ہے:

أن یجد الشخص احادیث بخطِّ راوِ یها سواءً لقی منه أو سمع منه أم لم یلقه ولم یسمع منه.

أو أن یجِدَ احادیث فی کتبٍ لمؤلِّفین معروفین. (۲)

"وجادۃ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص راوی کی تحریر شدہ کچھ احادیث پائے خواہ اس کو راوی سے ملاقات یا سماع حاصل ہو یا نہ ہو۔ یا پھر وہ معروف مؤلفین کی کتابوں سے کچھ احادیث پالے۔"

دوسری تعریف:

هو أن یجد الطالب أحادیث بخطِّ شیخ یرویها، یعرفه ذلك الطالب، ولیس له سماع منه و لا اجازة.

"وجادۃ سے یہ مراد ہے کہ شاگرد اپنے شیخ کی تحریر شدہ کچھ احادیث پائے جن کو شیخ نے

(۱) الباعث الحثیث، ص۱۲۹

(۲) الباعث الحثیث، ص۱۲۹

روایت کیا ہو۔ اور وہ شاگرد اس شیخ کو جانتا بھی ہو مگر سماع اور اجازت حاصل نہ ہو۔"

حکم:

چونکہ اس روایت میں انقطاع ہے یعنی لقاء ثابت نہیں ہے۔ اس لیے اس پر حدیث منقطع کا حکم لگایا جائے گا۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو وجادۃ میں اتصال کی بھی ایک شکل موجود ہے کیونکہ روایت شاگرد کو لکھی ہوئی ملی ہے۔

ادائیگی کے الفاظ:

وجادۃ کے ذریعے ملی ہوئی حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بیان کرنے والا کہے گا:

وجدتُ بخط فلان یا قرأت بخط فلان

یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد اسناد یا متن بیان کرے گا۔

اور مسند احمد میں امام احمد کے لڑکے عبداللہ نے بار بار اس طرح کہا ہے: "وجدتُ بخطِ أبی فی کتابہ" (یعنی میں نے اپنے والد کی کتاب میں ان کی تحریر پائی)

حدیث لکھتے وقت کاتب کے لیے کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

حدیث لکھتے وقت کاتب کے لیے درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

(۱) کلمات کی شکل اور نقطوں کا خاص خیال رکھے۔

(۲) خاص طور سے "اعلام" تحریر کرتے وقت حرکات اور نقطوں وغیرہ پر خصوصی توجہ دے۔

(۳) خط واضح اور جلی ہونا چاہیے۔

(۴) خط، خط کے مشہور قواعد کے مطابق ہونا چاہیے۔

(۵) تحریر کرنے کے بعد اصل نسخہ سے اس کو ملا لیا جائے یا پھر کسی ایسے نسخہ سے ملانا بھی درست ہے جو اصل نسخہ سے ملایا گیا ہو۔ خواہ وہ نسخہ کاتب کو "اجازۃ" کے طریق سے ہی کیوں نہ ملا ہو۔

حدیث لکھتے وقت حدیث کی ادائیگی کے لیے

استعمال ہونے والی اصطلاحات یا رموز

اکثر ''کُتابِ حدیث'' حدیث تحریر کرتے وقت حدیث کے لیے رائج اصطلاحات کو کچھ رموز کی شکل میں تحریر کرتے ہیں یہ رموز درج ذیل ہیں:

(۱) ''حدّثنا'' کے لیے محض ''نا'' یا 'ثنا'' کا رَمز استعمال کیا جاتا ہے۔

(۲) اخبرنا کے لیے ''أنا''اور ''أرْنا'' کا لفظ استعمال ہوجاتا ہے۔

(۳) ایک سند سے دوسری سند میں ''تحویل'' کے لیے ''ح'' لکھا جاتا ہے اور قاری اس کو ''حا'' پڑھتا ہے۔

(۴) اختصار کی غرض سے کاتبِ حدیث ''قـــال'' اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ بھی حذف کردیتا ہے لیکن قاری کے لیے اس کی ادائیگی ضروری ہے مثال کے طور پر:

"حدثنا عبدالله بن يوسف اخبرنا مالك" کو

"حدّثنا عبدالله بن يوسف قال أخبرنا مالك" پڑھنا ضروری ہے

(۵) اسی طرح عرب اپنی عادت کے مطابق اختصار کی غرض سے سند کے آخر سے لفظ ''أنه'' کو بھی حذف کردیتے ہیں۔ لیکن قاری کے لیے اس کی ادائیگی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر:

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال کو "عن أبی هريرة رضی الله عنه أنّه قال" پڑھنا ضروری ہے تاکہ کلام عربی قواعد کے مطابق ہو۔(۱)

---

(۱) تقریب اصطلاح المحدثین ، ص۹۵

الجہالۃ بالراوی

تعریف:

وهو عدم معرفة عين الراوی أو حالهِ

''الجہالۃ بالراوی سے مراد ہے کہ راوی کی ذات کے بارے میں یا پھر راوی کے حالات کے بارے میں معرفت نہ ہونا۔''

راوی سے ناواقفیت کے تین اسباب

(۱) راوی کی صفات کی کثرت:

کثرت صفات سے مراد یہ ہے کہ ایک راوی اپنے نام، کنیت، لقب، صفت، پیشہ یا نسب وغیرہ کئی ناموں سے جانا جاتا ہو، لیکن ان میں سے کوئی ایک چیز مشہور ہو، تو مشہور نام چھوڑ کر کسی غرض سے اس کے غیر معروف نام سے پکارا جائے جس کی وجہ سے یہ گمان ہوتا ہو کہ وہ کوئی دوسرا راوی ہے۔

مثال:

''محمد بن السائب بن بشر الکلبی '' کو بعض لوگوں نے ان کے دادا کی طرف منسوب کر کے ''محمد بن بشر'' نقل کیا بعض نے انھیں حماد بن سائب کے نام سے نقل کیا، بعض نے ان کی کنیت ''ابوالنضر''، بعض نے ''ابوسعید'' اور بعض نے ابو ہاشم نقل کی۔ جس کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس روایت کو بیان کرنے والی ایک جماعت ہے حالانکہ وہ ایک ہی شخص ہیں۔

(۲) راوی سے مروی ہونے والی روایات کی کمی:

راوی سے ناواقفیت کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی روایات کم ہوں۔

مثال:

مثال کے طور پر ''ابوالعشر اء الدارمی'' تابعین میں سے ہیں ان سے صرف حماد بن سلمہ

نے روایات بیان کی ہیں۔

(۳) راوی کے نام کی وضاحت نہ ہونا:

راوی سے ناواقفیت کا سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ روایت میں راوی کے نام کی وضاحت نہ ہوخواہ ایسا اختصار کی غرض سے کیا جائے یا کسی اور غرض سے۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی اس طرح بیان کرے:

اخبرني فلانٌ / اخبرني شيخٌ / اخبرني رجلٌ وغيره(۱)

المجهول

تعریف:

هو من لم تعرف عينه أو صفته أى لم تعرف بشخصيته أو عرفت ولم تعرف صفته من العدالة والضبطِ (۲)

''مجہول راوی سے مراد وہ راوی ہے، جس کی ذات یا صفت معروف نہ ہو یعنی اس کی شخصیت معروف نہ ہو یا پھر شخصیت تو معروف ہو مگر ضبط و عدالت کے اعتبار سے اس کی صفت معروف نہ ہو۔''

مجہول کی تین قسمیں

(۱) مجہول العین:

مجہول العین وہ راوی ہے جس کا نام تو مذکور ہو لیکن اس سے صرف ایک راوی نے روایات بیان کی ہوں

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین، ص ۷۰-۷۹

(۲) تقریب اصطلاح المحدثین، ص ۷۰

مجہول العین کا حکم:

مجہول العین کا حکم یہ ہے کہ جب تک درج ذیل دو معاملات میں سے کسی ایک کی توثیق نہ ہو جائے روایت مقبول نہ ہوگی:

(الف) کوئی دوسرا شخص جس نے اس سے روایت نہ کی ہو اس کی توثیق کردے۔

(ب) اس سے روایت لینے والا اس کی توثیق کردے بشرطیکہ وہ اہلِ جرح وتعدیل میں سے ہو۔

(۲) مجہول الحال یا مستور:

مجہول الحال وہ راوی ہے جس سے دو یا دو سے زیادہ راویوں نے روایت بیان کی ہو، لیکن اس کی توثیق نہ کی گئی ہو۔

مجہول الحال کا حکم:

مجہول الحال کا حکم یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اس کی روایت مردود ہے۔

(۳) مبہم:

مبہم وہ راوی ہے جس کے نام کی صراحت حدیث میں نہ ہو۔

مبہم کا حکم:

مبہم شخص کی روایت بھی مردود ہے کیونکہ جس شخص کی ذات ہی مبہم ہے، اس کی عدالت معروف ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کسی دوسرے طریق سے راوی کا نام معلوم ہو جائے تو روایت مقبول ہوگی۔

المبہم بلفظِ التعدیل:

کبھی کبھی راوی تعدیل کے الفاظ کے ذریعے مبہم ہوتا ہے، مثال کے طور پر کہا جائے:

أخبرني ثقة۔

حکم:

صحیح قول کے مطابق "المبهم بلفظِ التعديل" کی روایت بھی غیر مقبول ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے اگر وہ اس راوی کے نزدیک ثقہ ہے تو دوسرے کے نزدیک غیر ثقہ ہو۔

مشہور کتابیں:

(۱) موضّح أوهام الجمع والتفریق (خطیب بغدادی) یہ کتاب راوی کی کثرتِ صفات کے موضوع پر ہے۔

(۲) کتاب الوحدان (امام مسلمؒ) یہ کتاب ''راوی کی روایات کی کمی'' کے موضوع پر ہے اور اس موضوع پر بے شمار کتابیں تصنیف کی گئی ہیں، جو ''کتب الوحدان'' کے نام سے مشہور ہیں ان کتابوں میں ان راویوں کا تذکرہ ہے جن سے صرف ایک راوی نے حدیث بیان کی ہو۔

(۳) الأسماء المبهمة فی الأنباء المحکمة (خطیب بغدادی) یہ کتاب ''راوی کے نام کی عدمِ صراحت کے موضوع سے متعلق ہے۔ اس موضوع پر بھی بے شمار کتابیں تحریر کی گئی ہیں جو ''کتب المبهمات'' کے نام سے مشہور ہیں۔

(۴) ''المستفاد من مبهماتِ المتن والاسناد'' (زید الدین عراقی) کی اسی موضوع کی ایک کتاب ہے۔(۱)

البدعة

تعریف:

حدثٌ فی الدین مما لم یتّفق مع أصوله.

''دین میں کوئی ایسی نئی بات جو اصولِ دین سے متفق نہ ہو۔''

بدعت کی دو قسمیں ہیں

(۱) بدعتِ مُکَفِّرَہ:

بدعتِ مکفرہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے مرتکب پر کفر کا حکم لگایا جاتا ہے۔ یعنی یا تو

(۱) یہ سب معلومات تقریب اصطلاح المحدثین سے لی گئی ہیں۔

وہ کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہو جس سے کفر لازم آتا ہے یا پھر وہ دین میں کسی ایسی بات کا انکار کردے جو قطعی طور پر معلوم ہو۔

حکم:

بدعتِ مکفرہ کے مرتکب کی روایت مردود ہے۔

(۲) بدعتِ مفسقة:

بدعتِ مفسقہ سے مراد وہ بدعت ہے جس کے مرتکب پر فسق کا حکم لگایا جاتا ہے۔

حکم:

بدعت مفسقہ کے مرتکب کی روایت درج ذیل دو شرائط کے ساتھ قبول ہوگی۔

(الف): وہ روایت اس کی بدعت کی طرف نہ بلاتی ہو۔

(ب): وہ روایت اس کی بدعت کو فروغ دینے والی نہ ہو۔

سوء الحفظ / سیئ الحفظ

تعریف:

هو من لم يرجح جانب إصابته على جانب خطئه۔

"سیئ الحفظ سے مراد وہ راوی ہے جس کی صحت کا پہلو اس کی خطا کے پہلو پر راجح نہ ہو۔" (یعنی جس کی صحت کا پہلو کمزور ہو اور خطا کا پہلو قوی ہو)

سیئ الحفظ کی اقسام

سیئ الحفظ کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

پہلی قسم یہ ہے کہ راوی اپنی زندگی کے ابتدائی دور سے ہی سوء الحفظ کی کمزوری میں مبتلا ہو اور اس کی زندگی کے تمام حالات میں یہ کمزوری اس کے ساتھ پائی جاتی ہو۔

حکم:

بعض محدثین کے نزدیک ایسے راوی کی خبر کو شاذ کہا جائے گا۔ اس کی روایت مردود ہوتی ہے۔

دوسری قسم:

دوسری قسم یہ ہے کہ سوء الحفظ کی کمزوری راوی کو اس کے بڑھاپے یا مرض کی وجہ سے یا پھر قوتِ بصارت یا کتابوں کے فوت ہو جانے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہو۔

حکم:

ایسے راوی کو مختلِط اور اس کی روایت کو مختلَط کہا جاتا ہے۔ ''روایتِ مختلَط'' کا حکم درج ذیل ہے:

(۱) اگر اس نے اختلاط سے پہلے حدیث بیان کی ہے تو وہ مقبول ہوگی۔

(۲) اگر اختلاط کے بعد حدیث بیان کی ہے تو مردود ہوگی۔

(۳) لیکن اگر یہ تمیز نہیں ہو پا رہی ہے کہ یہ روایت اختلاط سے پہلے کی بیان کی ہوئی ہے یا بعد کی تو وہ موقوف ہوگی۔ پھر اگر تمیز ہو جاتی ہے تو اس پر مقبول یا مردود کا حکم لگایا جائے گا۔(۱)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین

اسماء الرجال

اسماءِ رجال با قاعدہ ایک فن ہے، جو احادیثِ نبوی ﷺ اور دینِ اسلام کو دشمنانِ دین کے حملوں اور گمراہوں کے فتنوں سے محفوظ کرنے کے لیے وجود میں لایا گیا اور اس کا محرک یہ ہے کہ جب دشمنانِ دین اور گمراہ مسلمان طبقہ علی الاعلان اسلام کی مخالفت نہ کرسکا تو انھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے جھوٹی روایات گڑھ کر رسول اللہ ﷺ سے منسوب کرنا شروع کردیں۔ جس کے تدارک کے لیے علماء حدیث فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حدیثِ نبوی ﷺ کی حفاظت کے لیے ایک ایسے عظیم الشان فن کی بنیاد ڈالی جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ یہ فن "فنِ اسماء الرجال" کے نام سے مشہور ہوا۔ علماءِ حدیث نے بڑی باریک بینی اور تحقیق و جستجو کے بعد اس موضوع پر مختلف اقسام کی کتابیں تحریر کیں، جس میں بڑی دیانتداری کے ساتھ راویوں کے حالاتِ زندگی اور ان کی تاریخ کا مفصل حال قلم بند کردیا۔ جس کی وجہ سے ان کذابین اور وضاعین کے حالاتِ زندگی بھی لوگوں کی نگاہوں کے سامنے آشکارا ہوگئے جنھوں نے اسلام کی تصویر کو مسخ کرنے کے لیے احادیث گڑھ کر روایت کرنے کی بھیانک سازش کی تھی۔

اسماء الرجال کے موضوع پر تحریر کی جانے والی کتابوں کی اقسام

اسماء الرجال کے موضوع پر اب تک مختلف اقسام کی کتابیں تحریر کی جاچکی ہیں جن میں سے کچھ مشہور اقسام درج ذیل ہیں:

(۱) المصنّفات فی معرفة الصحابة:

(۱) الاستیعاب فی معرفة الصحابة لابن عبدالبر الاندلسی

(۲) اسد الغابة فی معرفة الصحابة لعزّ الدین أبی الحسن علی بن محمد بن الأثیر الجزری. (۶۳۰ھ)

(۳) الإصابة فی تمییز الصحابة للحافظ ابن حجر العسقلانی. (۸۵۲ھ)

(۲) کتب الطبقات:

(۱) الطبقات الکبری لأبی عبداللّٰہ بن سعد کاتب الواقدی (۲۳۰ھ)

(۲) تذکرة الحفّاظ لأبی عبداللّٰہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (۷۴۸ھ)

(۳) کتب رواة الحدیث عامّة:

(۱) التاریخ الکبیر للامام بخاری (۲۵۶ھ)

(۲) الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم (۳۲۷ھ)

(۴) المصنّفات فی رجال کتبٍ مخصوصة:

(۱) الہدایة والارشاد فی معرفة أہل الثقة والسداد لأبی نصر أحمد بن محمد الکلاباذی (۳۱۸ھ) یہ کتاب صحیح بخاری کے رجال پر خاص ہے۔

(۲) رجال صحیح مسلم لأبی بکر أحمد بن علی الأصفہانی (۴۲۸ھ)

(۳) الجمع بین رجال الصحیحین لأبی الفضل محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ھ)

(۵) المصنّفات فی الثقات خاصّة:

(۱) کتاب الثقات لمحمّد بن احمد بن حبان البستی (۳۵۴ھ)

(۲) کتاب الثقات لأبی الحسن أحمد بن عبداللّٰہ بن صالح العجلی (۲۶۱ھ)

(۳) تاریخ أسماء الثقات ممن نقل عنہم العلم (لعمر بن أحمد بن شاہین (۳۸۵ھ)

(۶) المصنّفات فی الضعفاء خاصّة:

(۱) الضعفاء الکبیر للبخاری

(۲) الضعفاء الصغير للبخاری

(۳) الضعفاء والمتروکون للنسائی

(۴) کتاب الضعفاء لأبی جعفر محمد بن عمرو العقیلی(۳۲۳ھ)

(۷)المصنّفات فی رجال بلاد مخصوصة:

(۱) تاریخ الواسط، لأبی الحسن اسلم بن سهل المشهور بحشل الواسطی (۲۸۸ھ)

(۲) مختصر طبقات علماء افریقیة وتونس: لابن العرب محمد بن أحمد القیروانی (۳۳۳ھ)

(۳) تاریخ الرِّقة: لمحّمد بن سعید القشیری (۳۳۴ھ)

(۴) تاریخ داریا: لأبی عبداللّٰه عبدالجبار بن عبداللّٰه الخولانی الدارانی (۳۷۰ھ)

(۵) ذکر أخبارِ أصبهان: لأبی نعیم أحمد بن عبداللّٰه الأصبهانی (۴۳۰ھ)

(۶) تاریخ جرجان: لأبی القاسم حمزه بن یوسف السهمی (۴۲۷ھ)

(۷) تاریخ بغداد: للخطیب البغدادی (۴۶۳ھ) (۱)

---

(۱)تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین، ص۱۰۵-۱۱۰

روایت حدیث کی صفات

(کیفیت و آداب)

(۱) راوی کا حدیث کو یاد کیے بغیر اپنی کتاب سے روایت کرنا:

اس سلسلے میں علماء کے درمیان شدید اختلاف ہے۔

(الف): امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ اور ابوبکر الصید لانی کی رائے کے مطابق ایسی روایت حجت نہیں بن سکتی کیونکہ ان کے نزدیک صرف وہی روایت حجت بنتی ہے جو راوی نے اپنے حفظ سے بیان کی ہو۔

(ب) جمہور علماء کے نزدیک ایسی روایت حجت بن سکتی ہے بشرطیکہ راوی کی کتاب تغیر و تبدیلی سے محفوظ ہو اور راوی کے اندر تحمل حدیث اور ادائے حدیث کی تمام شرطیں موجود ہوں۔

(ج) ابن لہیعہ وغیرہ بعض ضعیف راویوں نے تو اس سلسلے میں اس قدر تساہل اور ڈھیل سے کام لیا ہے کہ ان نسخوں سے بھی روایت نقل کردی ہیں جن کو ان کی اصل سے جانچا نہیں گیا تھا۔ (۱)

(۲) اس نابینا کی روایت جس نے اپنی مسموعات کو یاد نہ کیا ہو:

اگر کوئی نابینا راوی اپنی مسموعات کو یاد کیے بغیر اپنی کتاب سے روایت کرے تو اس کی روایت اس شرط کے ساتھ مقبول ہوگی کہ اس نے حدیث کو لکھوانے میں کسی ثقہ راوی سے مدد لی ہو اور اس کو غالب گمان یہی ہو کہ کتاب تغیر و تبدیلی سے محفوظ ہے۔

(۳) روایت بالمعنی:

روایت بالمعنی کے سلسلے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

---

(۱) الباعث الحثیث، ص ۱۳۹

(الف) ابن سیرین اور ابوبکر الرازی وغیرہ علماء کی ایک جماعت نے روایت بالمعنی سے منع فرمایا ہے۔

(ب) سلف وخلف جمہور جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں روایت بالمعنی کی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ اجازت بقدرِ ضرورت ہی ہوگی مثلاً راوی کے ذہن سے حدیث کے کلمات میں سے کوئی کلمہ محو ہوگیا ہو۔

شرائط:

جمہور نے روایت بالمعنی کی قبولیت کے لیے درج ذیل شرائط کا بھی اضافہ کیا ہے:

(الف) راوی حدیث کے الفاظ اور مقاصد (معانی) کو خوب پہچانتا ہو۔

(ب) راوی ان امور سے بھی بخوبی واقف ہو جو حدیث کے معنی میں خلل پیدا کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث بالمعنی روایت کرنے کے بعد راوی کو "أو کما قال" یا "أو نحوہ" کے الفاظ بھی ادا کردینے چاہئیں۔

تحریر شدہ کتابوں سے روایت بالمعنی:

تحریر شدہ کتابوں سے روایت بالمعنی جائز نہیں ہے کیونکہ مروی الفاظ کے ثابت ہوجانے کے بعد اب روایت بالمعنی کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۴) حدیث میں لحن (غلطی) اور اس کے اسباب:

کبھی کبھی راوی حدیث کو پڑھنے میں غلطی کرجاتا ہے اس کے کچھ اہم اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) علم نحو اور لغت کی معرفت کم ہونا۔ طالبِ حدیث کے لیے حدیث میں لحن اور تصحیف سے بچنے کے لیے علم نحو اور لغت کی اچھی معرفت حاصل ہونا بے حد ضروری ہے۔

(۲) صرف کتابوں اور صحیفوں سے علم حدیث حاصل کرنا: جب طالبِ حدیث صرف کتابوں یا صحیفوں کے مطالعہ سے علم حاصل کرتا ہے اور اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ نہیں کرتا تو اس وقت بھی وہ حدیث کو بیان کرنے میں خطا کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

(۵) حدیث کے غریب الفاظ کی معرفت:

راوی کے لیے حدیث کے غریب الفاظ کی معرفت بھی بے حد ضروری ہے۔ غریب الفاظ سے مراد یہ ہے کہ متن حدیث میں کچھ ایسے الفاظ آجائیں جن میں قلتِ استعمال کی وجہ سے خفا پایا جاتا ہو۔ اسلاف نے ایسے الفاظ کے معانی بیان کرنے میں ظن وگمان یا اوہام کا سہارا نہیں لیا ہے۔ بلکہ بڑی باریک بینی اور تحقیق سے کام لے کر ان الفاظ کی وضاحت کی ہے۔ لہٰذا اس فن سے ناواقفیت رواۃ کے لیے قبیح سمجھی جاتی ہے۔

غریب الفاظ کی سب سے عمدہ تفسیر:

غریب الفاظ کی سب سے اچھی تفسیر وہ ہے جو حدیث کے ذریعے ہی کردی گئی ہو مثال کے طور پر صلاۃ مریض کے سلسلے میں عمران بن حصینؓ کی یہ حدیث:

صلِّ قائماً فإن لم تستطع فقاعداً فإن لم تستطع فعلى جنب۔ (البخاری)

''کھڑے ہوکر نماز پڑھو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کروٹ پر نماز پڑھو۔''

اس حدیث میں "جنب" کا لفظ آیا ہے، لیکن اس کی تفسیر حضرت علیؓ کی حدیث میں اس طرح موجود ہے:

على جنبه الأيمنِ مستقبل القبلة بوجهه۔

''داہنی کروٹ پر قبلہ رو ہوکر۔''

حدیث کے غریب الفاظ کے سلسلے میں مشہور کتابیں:

(۱) غریب الحدیث (ابو عبید القاسم بن سلاّم ۲۲۳ھ)

(۲) النهایة فی غریب الحدیث والاثر، (ابن اثیر - ۶۰۶ھ) یہ اس فن کی سب سے عمدہ کتاب ہے۔

(۳) الدر النثیر: (للسیوطی ۹۱۱ھ) یہ کتاب نہایہ کی تلخیص ہے۔

(۴) کتاب الصحاح: (جوہری - ۲۹۸ھ)(۱)

---

(۱) الباعث الحثیث، ص۱۶۷

روایت کے آداب

(۱) محدث کے آداب

(۲) طالبِ حدیث کے آداب

محدث کے آداب

محدث کو درج ذیل صفات سے متصف ہونا چاہیے:

(۱) محدث کی نیت خالص اور دل دنیوی اغراض سے پاک ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے عظیم اجر کی امید میں کلام رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ ہی اس کا سب سے بڑا مقصد ہو۔

(۳) عمر یا علم میں فائق لوگوں کے سامنے حدیث بیان نہ کرے۔

(۴) اگر اس کے علم میں یہ بات ہو کہ یہ حدیث اس کے علاوہ بھی کسی دوسرے کے پاس موجود ہے تو سوال کرنے والے کو اسی شخص کی طرف رہنمائی کردے۔

(۵) اگر وہ حدیث کا املا کرانے یا تعلیم دینے کے قابل ہو تو پھر حدیث کے املا یا تعلیم کی مجلس قائم کرے۔(۱)

املاءِ حدیث کی مجلس کے آداب

املاءِ حدیث کی مجلس کے آداب درج ذیل ہیں:

(۱) پاکی حاصل کرنا، خوشبو لگانا، داڑھی کے بالوں میں کنگھا کرنا۔

(۲) حدیث رسول اللہ ﷺ کی تعظیم میں پورے وقار اور سنجیدگی کے ساتھ بیٹھنا۔

(۳) کسی کو ترجیح دیے بغیر تمام حاضرین کی طرف یکساں توجہ کرنا۔

---

(۱) الباعث الحثیث، ص ۱۵۷

(۴) حمد و ثنا، درود و سلام اور دعا پر مجلس کا آغاز اور خاتمہ کرنا۔

(۵) حاضرین کی عقل و فہم کے مطابق بات کہنا۔

(۶) کسی ایسی بات پر املاء کا خاتمہ کرنا جس سے اکتاہٹ اور تھکان دور ہو جائے۔ مثال کے طور پر واقعات اور چٹکلے پر۔(۱)

محدث کی عمر:

کس عمر میں راوی کے لیے روایت بیان کرنا جائز ہوتا ہے، اس سلسلے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، لیکن صحیح بات یہی ہے کہ روایت بیان کرنے کے لیے بلوغ شرط ہے جبکہ راوی کے اندر روایت بیان کرنے کی اہلیت ہو۔

محدث کے آداب پر مشہور کتابیں:

(۱) الجامع لأخلاق الراوی و آداب السامع: للخطیب البغدادی

(۲) جامع بیان العلم وفضله و ماینبغی فی روایته و حمله: (ابن عبر البرّ: ۴۶۳ھ)

طالب حدیث کے آداب

طالب حدیث کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم حدیث کے شایانِ شان کریمانہ اخلاق اور آداب سے متصف ہو۔ طالب حدیث کے کچھ آداب درج ذیل ہیں:

(۱) نیت کی درستگی اور خلوص وللّٰہیت۔

(۲) علمِ حدیث کے حصول کے ذریعے دنیاوی اغراض مطلوب نہ ہوں۔ ابنِ ماجہ اور ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:

قال رسول اللّٰه ﷺ من تعلَّمَ علماً ممّا یبتغی به وجه اللّٰهِ تعالیٰ لا یتعلّمه إلّا لیصیب به غرضاً من الدنیا لم یجد

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین

عرفَ الجنةِ یوم القیامة۔

''اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے جس شخص نے کوئی ایسا علم جس سے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہیے تھی، کسی دنیاوی غرض کے حصول کے لیے سیکھا وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔''

(۳) طالب حدیث کے پاس جو صحیح احادیث ہوں وہ ان پر عمل کرے۔

(۴) حدیث کے ضبط وفہم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے توفیق کا طالب ہو۔

(۵) اپنی پوری توجہ اور کوشش حدیث کے جمع وتحصیل پر صرف کر دے۔

(۶) اسناد، علم اور دین کے اعتبار سے افضل اساتذہ سے سماع کا آغاز کرے۔

(۷) اساتذہ کی تعظیم کرے اور ان کی سختی کو برداشت کرے۔

(۸) درس کے ساتھیوں کی رہنمائی کرے اور علم کو نہ چھپائے۔

(۹) عمر یا مرتبہ میں اپنے سے کم تر افراد سے حدیث سننے میں شرماتا نہ ہو۔

(۱۰) حدیث کا معنی ومفہوم سمجھنے کے لیے کوشاں ہو۔

(۱۱) اہم کتابوں کی احادیث کے سماع میں پہل کرے۔ یعنی سماع میں کتابوں کی درج ذیل ترتیب کا خیال رکھے۔

(۱) **صحاح ستّة**

(۲) **السنن الکبری للبیهقی**

(۳) **مسانید اور جوامع**

(۴) **کتب علل میں "علل دارقطنی"**

(۵) **أسماء الرجال میں "تاریخ الکبیر للبخاری"**

(۶) **الجرح و التعدیل لابن أبی حاتم**

(۷) حدیث کے غریب الفاظ کی معرفت کے لیے **"النهایة لابن الاثیر"**

(۸) **ضبط الاسماء** کے موضوع پر ابن ماکول کی کتاب۔(۱)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں تقریب اصطلاح المحدثین

الاسناد العالی والاسناد النازل

اسناد اس امت کی خصوصیت ہے۔ اسلاف نے حد درجہ اس کا اہتمام فرمایا ہے اور اسناد عالی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:

طلبُ الإسناد العالی سنةٌ عمن سلف والصحابة ارتحلوا مسافة بعيدة فی طلب علوِّ الاسناد.

''اسنادِ عالی کی طلب اسلاف کا طریقہ رہا ہے اور صحابہ کرام نے بھی اسناد عالی کی طلب میں دور دراز کے سفر کیے ہیں۔''

الاسناد العالی

اسناد عالی وہ سند ہے جس کے رجال کی تعداد کم ہو بمقابلہ اسی حدیث کی دوسری سند کے۔

الاسناد النازل

اسناد نازل وہ سند ہے جس کے رجال کی تعداد زیادہ ہو بمقابلہ اسی حدیث کی دوسری سند کے۔

علو کی اقسام

علو کی دو قسمیں ہیں، جن میں پہلی قسم علوِ مطلق اور دوسری علوِ نسبی کہلاتی ہے۔

علوِ مطلق

علوِ مطلق سے مراد یہ ہے کہ راوی کو بالکل صحیح سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے قرب حاصل ہو۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی کو ایک حدیث دو سند سے حاصل ہوئی اور دونوں ہی سند بالکل صحیح ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ ایک سند میں راوی اور نبی کریم ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد زیادہ ہے اور دوسری سند میں یہ تعداد کم ہے تو جس سند میں رجال کی تعداد کم ہے وہ عالی ہوگی کیونکہ اس میں راوی کو نبی کریم ﷺ سے قرب حاصل ہے۔ مثال کے طور پر وہ حدیث جس میں رجال کی تعداد زیادہ ہے جیسے بخاری کتاب العلم میں یہ حدیث کھجور والی:

حدّثنا علی بن عبداللہ قال ثنا سفیان قال قال لی ابن أبی نجیح عن مجاهد قال صحبت ابن عمر إلی المدینة۔ فلم اسمعه یحدّث عن رسول اللہ ﷺ إلا حدیثا واحداً۔(الحدیث)

وہ حدیث جس کی سند میں رجال کی تعداد کم ہے:

حدّثنا خالد بن مخلد قال ثنا سلیمان بن بلال قال ثنا عبداللہ بن دینار عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال إنّ من الشجر شجرة۔ (الحدیث)

وضاحت:

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کتاب العلم میں چار مرتبہ نقل کیا ہے۔ تین سندوں میں ان کے اور نبی ﷺ کے درمیان چار راوی ہیں لیکن علی بن عبداللہ والے طریق میں ان کے اور نبی ﷺ کے درمیان پانچ راوی ہیں اس لیے خالد بن مخلّد اور قتیبہ بن سعید اور اسماعیل کا طریق عالی ہوگا۔ علی بن عبداللہ کے طریق کے مقابلے میں کیوں کہ ان تینوں طریق میں امام بخاریؒ کو نبی ﷺ سے قرب حاصل ہے۔

علوِ نسبی

علوِ نسبی سے مراد ہے نسبت کی وجہ سے سند کا عالی ہونا یعنی کسی امام حدیث یا کسی کتاب کے مصنف سے قرب کی وجہ سے یا سماع پہلے ثابت ہونے یا راوی کی وفات دوسرے راوی سے پہلے ہونے کی وجہ سے حدیث کی سند عالی ہو جاتی ہے۔

علو نسبی کی اقسام

علوِ نسبی کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:

(۱) کسی امام حدیث سے قرب حاصل ہونا:

علوِ نسبی کی پہلی قسم یہ ہے کہ راوی کو کسی امامِ حدیث سے بالکل صحیح سند کے ساتھ قرب حاصل ہو، جیسے: اعمشؒ، امام مالکؒ، ابن جریج، شعبہ وغیرہ۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی کو ایک حدیث دو صحیح سند سے حاصل ہوئی اور دونوں ہی سند اعمش کے طریق سے ہیں لیکن پہلی سند میں راوی اور اعمش کے درمیان رجال کی تعداد زیادہ ہے اور دوسری سند میں یہ تعداد کم ہے تو جس سند میں راوی اور اعمش کے درمیان رجال کی تعداد کم ہے وہ عالی ہوگی کیونکہ اس میں راوی کو اعمش سے قرب حاصل ہے۔

وہ حدیث جس میں راوی اور امام حدیث کے درمیان رجال کی تعداد زیادہ ہے: جیسے بخاری ''باب الوضوء من غیر حدث'' میں ایک حدیث کو امام بخاریؒ نے دو سندوں سے ذکر کیا ہے۔ دوسری سند میں ہے:

قال وحدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن سفیان قال: حدثنی عمرو بن عامر عن انسؓ قال: کان النبی ﷺ یتوضأ عند کلِّ صلاۃ، قلت: کیف کنتم تصنعون؟ قال

يجزئ احدنا الوضوء مالم يحدث۔

وہ حدیث جس میں راوی اور امامِ حدیث کے درمیان رجال کی تعداد کم ہے۔اس کی پہلی سند میں ہے:

حدّثنا محمد بن يوسف قال: حدّثنا سفيان عن عمرو بن عامر قال: سمعت أنساً۔

وضاحت:

مذکورہ بالا حدیث امام بخاریؒ کو صحیح دو سندوں سے حاصل ہوئی ہے دونوں ہی سند حضرت سفیان ثوری کے طریق سے ہیں لیکن پہلی سند میں امام بخاری اور سفیان ثوری کے درمیان واسطہ ایک ہے اور وہ محمد بن یوسف ہیں جبکہ دوسری سند میں امام بخاری اور سفیان ثوری کے درمیان واسطہ دو ہیں۔ایک مسدّد اور دوسرے یحییٰ۔اس طرح پہلی سند دوسری سند کے مقابلے میں عالی ہوگی کیوں کہ اس میں امام بخاریؒ کو حضرت سفیان ثوری سے قرب حاصل ہے۔

(۲) کسی مشہور معتمد کتاب سے قرب حاصل ہونا:

علوِ نسبی کی دوسری قسم یہ ہے کہ راوی کو حدیث کی سند میں کسی مشہور اور معتمد حدیث کی کتاب سے قرب حاصل ہو۔مثلاً: صحاح ستہ اور موطا وغیرہ۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی نے ایک حدیث امام بخاریؒ کے طریق سے صحیح بخاری سے نقل کی پھر وہی حدیث امام بخاریؒ کے استاد قتیبہؒ کی کتاب سے قتیبہؒ کے طریق سے نقل کی اور پھر وہی حدیث امام بخاریؒ کے استاد کے استاد قعنبیؒ کی کتاب سے قعنبیؒ کے طریق سے نقل کی۔تو پہلے طریق کے مقابلے میں دوسرا اور دوسرے کے مقابلے میں تیسرا طریق عالی ہوگا کیونکہ براہِ راست استاد سے یا پھر استاد کے استاد سے روایت کرنے میں سند کے رجال کی تعداد کم ہوجائے گی۔

حدیث کی معتمد کتاب سے قرب کی شکلیں

حدیث کی معتمد کتاب سے قرب کی درج ذیل چار شکلیں ہیں:

(۱) الموافقة (۲) ابدال

(۳) مساواة (۴) مصافحة

موافقة

موافقت سے مراد یہ ہے کہ راوی کو حدیث کی سند میں کسی معتمد کتاب کے مصنف کے استاد سے قرب حاصل ہو۔ یعنی راوی براہِ راست مصنف کے استاد سے روایت کرے۔ لیکن سند کا طریق بھی نہ بدلے اور راوی اور مصنف کے شیخ کے درمیان رجال کی تعداد بھی کم ہو بمقابلہ اس سند کے جس میں راوی نے مصنف سے روایت کی ہو۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی (زید) نے اپنی کتاب میں ایک حدیث دو سند سے نقل کی۔ پہلی سند امام بخاریؒ سے ان کے استاد قتیبہ کے طریق سے نقل کی اس طرح: "روی البخاری عن قتیبه عن مالک" لیکن دوسری سند براہِ راست امام بخاری کے استاد ابن عباس السراج سے قتیبہ ہی کے طریق سے نقل کی اس طرح: "روی ابن العباس السراج عن قتیبه عن مالک" لیکن پہلی سند میں زید اور امام بخاری کے درمیان رجال کی تعداد زیادہ مثلاً آٹھ ہے جبکہ دوسری سند میں زید اور ابن عباس سراج کے درمیان رجال کی تعداد کم مثلاً سات ہے۔ تو ابنِ عباس سراج والی سند عالی ہوگی کیونکہ اس میں زید کو امام بخاری کے استاد سے قرب حاصل ہے اور سند میں رجال کی تعداد بھی کم ہے، البتہ دونوں اسناد ایک ہی طریق یعنی قتیبہ کے طریق سے ہونے کی وجہ سے علو کی یہ قسم موافقۃ کہلائے گی۔

ابدال

ابدال سے مراد یہ ہے کہ راوی کو حدیث کی سند میں کسی معتمد کتاب کے مصنف کے

''استاد کے استاذ'' سے قرب حاصل ہو یعنی راوی براہِ راست مصنف کے ''استاد کے استاذ'' سے روایت کرے لیکن سند کا طریق بدل جائے اور راوی اور مصنف کے ''استاد کے استاذ'' کے درمیان رجال کی تعداد بھی کم ہو بمقابلہ اس سند کے جس میں راوی نے مصنف سے روایت کی ہو۔

مثال:

مثال کے طور پر راوی ''زید'' نے اپنی کتاب میں ایک حدیث دو سند سے نقل کی۔ پہلی سند امام بخاری سے ان کے استاد قتیبہ کے طریق سے نقل کی اس طرح:

"روی البخاری عن قتیبة عن مالك"

لیکن دوسری سند براہِ راست امام بخاری کے استاد کے استاد ''قعنبی'' سے نقل کی اس طرح: ''روی القعنبی عن مالک'' تو پہلی سند میں زید اور امام بخاری کے درمیان رجال کی تعداد زیادہ مثلاً آٹھ ہے اور دوسری سند میں یہ تعداد کم مثلاً چھ ہے تو قعنبی سے قرب اور رجال کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے قعنبی والی سند عالی ہوگی۔اور قتیبہ کے بجائے قعنبی کے طریق سے بدل جانے کی وجہ سے علو کی یہ قسم ابدال کہلاتی ہے۔

مساواۃ

مساواۃ سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث میں راوی کی سند میں ''آخر سند تک رجال کی تعداد'' کسی معتمد کتاب کے مصنف کی تعداد کے برابر ہو جائے۔

مثال:

مثال کے طور پر امام نسائی نے کوئی حدیث اپنی کتاب میں نقل کی اور اس کی سند میں امام نسائی سے لے کر نبی کریم ﷺ تک رجال کی تعداد دس ہے۔

اب راوی ''زید'' نے وہی حدیث اپنے طریق سے کسی دوسری سند کے ساتھ نقل کی لیکن اس میں بھی زید اور نبی کریم ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد دس ہے۔تو کہا جائے گا کہ اس حدیث کی سند میں زید کو تعداد کے اعتبار سے امام نسائیؒ سے مساواۃ (برابری) حاصل

ہے۔ اور یہ سند اس سند کے مقابلہ میں عالی ہوگی۔ کیوں کہ راوی کی سند کو امام نسائیؒ کی سند کی برابری حاصل ہوگئی ہے تو اس برابری کی نسبت سے اس راوی کی سند کو علو حاصل ہوگیا ہے۔

مصافحہ

مصافحہ مساواۃ کی ہی ایک شکل ہے۔ مصافحہ سے مراد یہ ہے کہ ایک حدیث کی سند میں ''آخر سند تک رجال کی تعداد'' کسی معتمد کتاب کے ''مصنف کے شاگرد'' کی تعداد کے برابر ہوجائے۔ علو کی اس قسم کو مصافحہ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ شاگرد کا تعلق استاد سے ہوتا ہے اور اسے استاد کی ہم نشینی سے ملاقات اور مصافحہ وغیرہ کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

مثال:

مثال کے طور پر امام نسائی کے شاگرد نے کوئی حدیث اپنی کتاب میں نقل کی اور اس کی سند میں امام نسائی کے شاگرد سے لے کر نبی کریم ﷺ تک رجال کی تعداد دس ہے۔ اب راوی زید نے وہی حدیث اپنے طریق سے کسی دوسری سند کے ساتھ نقل کی لیکن اس میں بھی زید اور نبی کریم ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد دس ہے تو کہا جائے گا کہ اس حدیث کی سند میں زید کو تعداد کے اعتبار سے ''امام نسائیؒ کے شاگرد'' سے مساواۃ (برابری) حاصل ہے اور یہ سند بھی اس سند کے مقابلے میں عالی ہوگی جس میں زید اور نبی ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد اس سے زیادہ ہو۔ البتہ مساواۃ کی اس شکل کو مصافحہ اس لیے کہا جائے گا کیونکہ امام نسائی کے شاگرد کو امام نسائی کی ہم نشینی سے ملاقات اور مصافحہ وغیرہ کا شرف حاصل ہے۔

ابنِ صلاح کے نزدیک مصافحہ کی تعریف

ابنِ صلاح کے نزدیک مصافحہ سے مراد یہ ہے کہ ''راوی کے شیخ کی سند آخر سند تک'' کسی معتمد کتاب کے مصنف کی تعداد کے برابر ہوجائے۔

مثال:

مثال کے طور پر امام نسائی نے کوئی حدیث اپنی کتاب میں نقل کی اور اس کی سند میں نبی

کریم ﷺ تک رجال کی تعداد دس ہے۔ اب وہی حدیث راوی ''زید'' کے استاد نے اپنے طریق سے کسی دوسری سند کے ساتھ نقل کی لیکن اس میں بھی ''زید کے استاذ'' اور نبی کریم ﷺ کے درمیان رجال کی تعداد دس ہے۔ تو کہا جائے گا کہ اس حدیث کی سند میں ''زید کے استاذ'' کو تعداد کے اعتبار سے امام نسائی سے مساواۃ (برابری) حاصل ہے البتہ مساواۃ کی یہ شکل مصافحہ اس لیے کہلائے گی کیونکہ استاد سے یہ روایت ''راوی زید'' نے لی ہے اور زید کو اپنے استاد کی ہمنشینی سے مصافحہ اور ملاقات وغیرہ کا شرف حاصل ہے۔

(۳) راوی کی وفات پہلے ہونے کی وجہ سے سند کا عالی ہونا:

علوِ نسبی کی تیسری قسم یہ ہے کہ راوی کی وفات اسی حدیث کے دوسرے راوی سے پہلے ہوجائے لہٰذا راوی کی وفات کا زمانہ پہلے ہونے کی وجہ سے اس کی سند کو علو حاصل ہوجاتا ہے۔

مثال:

مثال کے طور پر امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جو روایت میں:

عن ثلاثة عن البيهقي عن الحاكم"

کی سند سے بیان کروں وہ اعلیٰ ہے بمقابلہ اس سند کے جو میں

"عن ثلاثة عن أبي بكر بن خلف عن الحاكم"

کی سند سے بیان کروں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بیہقی کی وفات ''ابوبکر بن خلف'' سے پہلے ہوئی ہے۔

(۴) سماع پہلے ثابت ہونے کی وجہ سے سند کا خالی ہونا:

علوِ نسبی کی چوتھی قسم یہ ہے کہ راوی کا شیخ سے سماع اسی حدیث کے دوسرے راوی کے مقابلے میں پہلے ثابت ہوجائے تو سماع کا زمانہ پہلے ہونے کی وجہ سے اس کی سند کو علو حاصل ہوجائے گا۔

مثال:

مثال کے طور پر ایک شخص کو پچھلے ساٹھ سالوں سے شیخ سے سماع حاصل ہے اور

دوسرے کو پچھلے چالیس سالوں سے تو اس شخص کی سند عالی مانی جائے گی جس کو پچھلے ساٹھ سالوں سے سماع حاصل ہے۔

مثال کے طور پر ترمذی کی یہ روایت:

حدثنا هنّاد وقتيبة قالا نا وكيع عن اسرائيل عن ابى اسحٰق عن أبى عبيده عن عبدالله قال خرج النبى ﷺ لحاجته فقال التمس لى ثلاثة أحجار. قال فأتيته بحجرين وروثة فأخذ الحجرين وألقى الروثة وقال إنها نجس. (ترمذی، ص: ١٠، باب الاستنجاء بالحجرين)

یہ حدیث مختلف چار طرق سے مروی ہے لیکن امام ترمذیؒ کے نزدیک ''اسرائیل عن ابی اسحاق'' کی سند زیادہ صحیح ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ''زہیر بن ابی اسحاق'' والی سند نازل ہے۔

اور امام ترمذی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ابو اسحاق سے زہیر کا سماع ان کی آخری عمر میں ثابت ہے۔

نوٹ:

علو کی اس قسم کا خیال زیادہ تر وہاں رکھنا ضروری ہوتا ہے جہاں شیخ کا حافظہ کمزور ہو گیا ہو یا عمر کی وجہ نسیان کی بیماری ہو گئی ہو اور احادیث کو خلط ملط کرنے لگا ہو۔

■❖■

نزول کی اقسام

اسنادِ عالی کی طرح اسنادِ نازل کی بھی پانچ اقسام ہیں جو اسناد عالی کی ان پانچوں اقسام کی ضد ہوتی ہیں۔

علو افضل ہوتا ہے:

عام طور پر سند نازل کے مقابلے میں سندِ عالی افضل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں رجال کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے خلل (نقص) کا احتمال کم ہوتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی سند نازل بھی افضل ہو جاتی ہے جبکہ اس کے رجال سند عالی کے مقابلے میں زیادہ ثقہ، زیادہ حافظ اور زیادہ فقیہ ہوں۔ (۱)

ثلاثیات:

ثلاثیات سے مراد وہ اسناد ہیں، جن میں مصنف اور نبی کریم ﷺ کے درمیان صرف تین اشخاص ہوں۔ یہ سند عالی کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ علماء نے اس طرح کی اسناد جمع کرنے کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے اور ثلاثیات کے نام سے کتابیں تحریر کی ہیں۔

اہم ثلاثیات:

(۱) ثلاثیات البخاری: ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

(۲) ثلاثیات احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) (۲)

■❖■

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث اور تقریب اصطلاح المحدثین

(۲) تفصیل کے لیے دیکھیں الباعث الحثیث اور تقریب اصطلاح المحدثین

مسلسل

التسلسل: سلسلہ وار ہونا، لگا تار ہونا، سلسلة الحدید: لوہے کی زنجیر۔

تعریف:

هو تتابع رجالِ اسناده علی صفةٍ أو حالةٍ للرواةِ تارةً وللروایة تارةً أخریٰ۔

"مسلسل سے مراد ہے سند کے رجال کا کسی صفت میں کبھی راویوں کی کسی حالت میں یا کبھی روایت کی کسی حالت میں تسلسل قائم ہونا۔"

مسلسل کی اقسام:

مسلسل کی تین قسمیں ہیں:

(۱) راویوں کے حالات میں تسلسل

(۲) راویوں کی صفات میں تسلسل

(۳) روایت کی صفات میں تسلسل

۱- راویوں کے حالات میں تسلسل:

راویوں کے حالات میں تسلسل کی تین قسمیں ہیں:

(الف) قولی تسلسل

(ب) فعلی تسلسل

(ج) قولی اور فعلی تسلسل

قولی تسلسل:

راویوں کے حالات کے قولی تسلسل سے مراد یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند کے تمام

راویوں نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت اپنے شاگرد سے کوئی قول دہرایا ہو۔

مثال:

مثال کے طور پر معاذ بن جبلؓ کی یہ حدیث کہ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

یا معاذ إنی أحبّك فقُلْ دبر کلِّ صلاةٍ اللّٰهم أعنّی علی ذكرك وشكرك وحسن عبادتك.

''اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں تو تم ہر نماز کے بعد کہا کرو: اے اللہ اپنے ذکر اور شکر اور اچھی عبادت کے سلسلے میں میری مدد فرما۔''

مذکورہ بالا حدیث کے ہر راوی نے اپنے شاگرد سے یہ حدیث بیان کرتے وقت یہ الفاظ دہرائے ہیں: **و أنا احبّك فقُل.** (اور میں تم سے محبت کرتا ہوں تو تم بھی کہو۔)

لہٰذا یہ روایوں کے حالات کی قولی تسلسل کی مثال ہے۔

فعلی تسلسل:

فعلی تسلسل سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام راویوں نے کوئی حدیث بیان کرتے وقت اپنے شاگرد کے سامنے کوئی فعل دہرایا ہو۔

مثال:

مثال کے طور پر ابو ہریرہؓ کی یہ حدیث:

شَبَّكَ بیدی أبو القاسم ﷺ وقال: خلق الله الارض یوم السبتِ.

''ابوالقاسم ﷺ نے میرے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے زمین کو سنیچر کے دن پیدا فرمایا۔''

مذکورہ بالا حدیث کے ہر راوی نے اپنے شاگرد سے یہ حدیث بیان کرتے وقت اپنے شاگرد کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے۔ لہٰذا یہ راویوں کے حالات کی فعلی تسلسل کی مثال ہے۔

قولی اور فعلی تسلسل:

قولی اور فعلی تسلسل سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام راویوں نے کوئی حدیث بیان کرتے

وقت اپنے شاگرد کے سامنے کوئی قول اور فعل دونوں ایک ساتھ دہرائے ہوں۔

مثال:

حضرت انسؓ کی یہ حدیث کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لا یجد العبدُ حلاوۃ الایمان حتّٰی یومن بالقدرِ خیرہ و شرہ حلوہٖ ومرہ۔" و قبض رسول اللہ ﷺ علی لحیتہ وقال: "آمنتُ بالقدر خیرہ و شرِّہٖ حُلوِّہ ومرِّہ۔"

"بندہ ایمان کی مٹھاس نہیں پاتا حتیٰ کہ وہ اچھی بری تقدیر، اس کی مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان نہ لے آئے۔" اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی داڑھی کو پکڑا اور فرمایا: "میں اچھی بری تقدیر، اس کی مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان لایا۔"

مذکورہ بالا حدیث کے ہر راوی نے اس حدیث کو بیان کرتے وقت اپنی داڑھی کو پکڑ کر یہ الفاظ دہرائے ہیں کہ "میں اچھی بری تقدیر اور اس کی مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان لایا۔" چنانچہ یہ راویوں کے حالات کی قولی اور فعلی تسلسل کی مثال ہے کیونکہ اس حدیث میں سند کے تمام راویوں نے ایک فعل اور ایک قول کی یکے بعد دیگر مسلسل پیروی کی ہے۔

۲- راویوں کی صفات میں تسلسل:

راویوں کی صفات میں تسلسل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قولی تسلسل

(۲) فعلی تسلسل۔

راویوں کی صفات میں قولی تسلسل:

راویوں کی صفات میں قولی تسلسل سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام راویوں نے حدیث بیان کرتے وقت اپنے شاگرد کے سامنے یکے بعد دیگرے کسی صفت میں قولی تسلسل قائم رکھا ہو۔

مثال:

سورہ صف کی قرأت کے سلسلہ میں یہ حدیثِ مسلسل:

حدّثنا عبدالله بن عبدالرحمن: أخبرنا محّمد بن كثيرٍ عن الأوزاعی، عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی سلمة، عن عبداللّٰهِ ابن سلامٍ قالَ: قعَدنا نفراً من أصحاب رسولِ اللّٰه ﷺ فتذاکرنا فقلنا لو نعلم أیُّ الأعمال أحبُّ إلی اللّٰه لعملناه، فأنزل الله تعالیٰ: سبّح للّٰه ما فی السمٰوٰتِ و مافی الارض وھو العزیز الحکیمo یأیھا الذین أمنوا لم تقولون ما تفعلون۔" قال عبداللّٰه بن سلام فقرأھا علینا رسولُ اللّٰه ﷺ۔ قال أبو سلمة: فقرأھا علینا ابنُ سلامٍ۔ قال یحییٰ: فقرأھا علینا أبو سلمة، قال ابن کثیرٍ: فقرأھا علینا الأوزاعی، قال عبداللّٰه: فقرأھا علینا ابنُ کثیرٍ۔ (جامع ترمذی أبواب التفسیر، باب ومن سورة الصف)

''عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی کہ محمد بن کثیر نے اوزاعی عن یحییٰ بن ابی کثیر عن أبی سلمۃ عن عبداللہ ابن سلام کے طریق سے یہ خبر دی کہ انھوں نے فرمایا: ہم اصحابِ رسول ﷺ کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے تو وہ ہم سے مذاکرہ کرنے لگے تو ہم نے کہا کہ اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ کے نزدیک کونسا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے تو ضرور ہم اس پر عمل کرتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: سبح للّٰہ ما فی السموات وما فی الارض وھو العزیز الحکیمo یایھا الذین آمنوا لم تقولون ما تفعلونo عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے یہ آیات پڑھیں، ابوسلمہ نے فرمایا کہ ابن سلام نے ہمارے سامنے یہ آیات پڑھیں، یحییٰ نے فرمایا کہ ابوسلمہ نے یہ آیات ہمارے سامنے پڑھیں۔ ابنِ کثیر نے فرمایا کہ اوزاعی نے یہ آیات ہمارے سامنے پڑھیں۔ عبداللہ نے فرمایا کہ ابنِ کثیر نے یہ آیات ہمارے سامنے پڑھیں''۔

نوٹ:۔ راویوں کی صفات میں قولی تسلسل اور راویوں کے حالات میں قولی تسلسل کی

مثالیں ایک دوسرے سے قریب قریب ہیں۔

راویوں کی صفات میں فعلی تسلسل:

راویوں کی صفات میں فعلی تسلسل سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام راوی یا تو ناموں کے اعتبار سے یا اپنے نہج کے اعتبار سے یا اپنے نسب کے اعتبار سے باہم متفق ہوں۔

مثال:

اسماء کے اتفاق کی مثال جیسے: محمدین کی مسلسل روایت

منہج کے اتفاق کی مثال جیسے: فقہاء کی مسلسل روایت یا حفاظ کی مسلسل روایت

نسب کے اتفاق کی مثال جیسے: مضریین کی مسلسل روایت یا دمشقیین کی مسلسل روایت

۳- روایت کی صفات میں تسلسل:

روایت کی صفات میں تسلسل سے مراد یہ ہے کہ سند کے تمام راوی ادائیگی کے صیغوں یا روایت کے زمانے کے اعتبار سے یا پھر روایت کے مکان کے اعتبار سے ایک دوسرے سے یکسانیت رکھتے ہوں۔

روایت کی صفات میں یکسانیت ادائیگی کے صیغوں کے اعتبار سے:

جیسے کسی حدیث میں سند کے تمام راوی "سمعتُ" سے روایت بیان کریں یا پھر سند کے تمام راویوں نے "اخبرنا" کے ذریعے حدیث بیان کرنے میں ایک دوسرے کی پیروی کی ہو۔

روایت کی صفات میں یکسانیت زمانے کے اعتبار سے:

مثال کے طور پر وہ حدیث مسلسل جس کے تمام راویوں نے عید کے دن اس کو روایت کرنے میں ایک دوسرے کی پیروی کی ہے۔

روایت کی صفات میں یکسانیت مکان کے اعتبار سے:

مثال کے طور پر "ملتزم میں دعا کی مقبولیت" کے سلسلے میں حدیث مسلسل۔

سب سے افضل مسلسل:

سب سے افضل مسلسل وہ ہے جو سماع میں اتصال اور عدمِ تدلیس پر دلالت کرے۔

مسلسل کے فوائد:

مسلسل کے فوائد میں ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے راویوں کے حفظ وضبط کی زیادتی کا پتہ چلتا ہے۔

حدیث مسلسل منقطع:

کبھی حدیث مسلسل کی سند منقطع بھی ہوتی ہے خواہ درمیان سے منقطع ہو یا آخر سے تو ایسی حدیث مسلسل کو رواۃ اس طرح بیان کرتے ہیں:

هذا مسلسل إلى فلان

''یہ حدیث فلاں راوی تک مسلسل ہے۔''

حدیث مسلسل اور صحتِ حدیث:

ہر حدیثِ مسلسل کا حدیث صحیح ہونا لازم وضروری نہیں ہے بلکہ کبھی حدیث مسلسل ضعیف بھی ہوتی ہے۔

مشہور کتابیں:

(۱) **المسلسلات الكبرىٰ:** (سیوطی) اس کتاب میں ۸۵/احادیث ہیں۔

(۲) **المناهل السلسلة فى الأحاديث المسلسلة:** محمد عبدالباقی الایوبی، اس کتاب میں ۲۱۲/احادیث ہیں۔

رواية الأكابر عن الأصاغر

رواية الأكابر عن الأصاغر سے مراد یہ ہے کہ راوی عمر، طبقہ، علم یا حفظ کے اعتبار سے اپنے سے کم تر شخص سے حدیث بیان کرے۔

اقسام:

رواية الأكابر عن الأصاغر کی درج ذیل تین قسمیں ہیں:

(۱) راوی اپنے مروی عنہ کے مقابلے میں عمر کے اعتبار سے بڑا اور طبقہ کے اعتبار سے مقدّم ہو۔ جیسے امام بخاریؒ کا امام ترمذی سے روایت کرنا۔

(۲) راوی اپنے مروی عنہ کے مقابلے میں قدر و منزلت کے اعتبار سے فائق ہو جیسے امام مالکؒ کا عبداللہ بن دینار سے روایت کرنا۔

(۳) راوی اپنے مروی عنہ کے مقابلے میں عمر اور قدر و منزلت دونوں اعتبار سے بڑا ہو۔ جیسے: برقانی کا خطیب سے روایت کرنا حالانکہ برقانی خطیب کے استاد تھے اور عمر و مرتبہ دونوں اعتبار سے بڑے تھے۔

روایة الأکابر عن الأصاغر کے نمونے

(۱) صحابہ کرام کا تابعین سے روایت کرنا۔ جیسے:

عبادلہ (عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو ابن العاص) اور ان کے علاوہ دوسرے صحابہؓ کا کعب بن احبار تابعی سے روایت کرنا۔

(۲) تابعین کا تبع تابعین سے روایت کرنا۔ جیسے: یحیٰی بن سعید الانصار کا امام مالکؒ سے روایت کرنا۔

اس فن کی معرفت کی اہمیت:

اس فن کی معرفت محدث کے لیے بے حد ضروری ہے تاکہ محدث اس وہم میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو جائے کہ مروی عنہ راوی سے بڑا اور افضل ہے جیسا کہ اکثر ہوا کرتا ہے۔ اور دوسری وجہ یہ کہ محدث کو اس طرح کی احادیث میں یہ گمان نہ ہو کہ سند میں قلب ہے۔ کیونکہ عام طور پر اصاغرین اکابرین سے روایت نقل کرتے ہیں۔

مشہور تصنیف:

ماروا الکبار عن الصغار والآباء عن الأبناء۔ حافظ ابو یعقوب اسحٰق بن ابراہیم الوراق (۴۰۳ھ)

روایة الآباء عن الأبناء

روایة الآباء عن الأبناء سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی حدیث پائی جائے جس میں

باپ نے اپنے بیٹے سے روایت کی ہو۔

اس فن کی اہمیت:

اس فن کا جاننا بھی محدث کے لیے بے حد ضروری ہے تا کہ اس طرح کی احادیث میں اسے یہ گمان نہ ہو جائے کہ سند میں قلب یا غلطی ہے۔

مثالیں:

(۱) حضرت عباسؓ کا اپنے بیٹوں عبداللہ اور فضل سے روایت کرنا۔

(۲) ابوبکر صدیقؓ کا اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے روایت کرنا۔

ابن صلاح کی رائے:

ابن صلاح فرماتے ہیں: وہ حدیث جس کو ہم نے "**عن ابی بکر الصدیق عن عائشه عن رسول الله** ﷺ" کی سند سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ''کالے دانے'' کے بارے میں فرمایا: "**شفاء من کلّ داءٍ**" تو یہ (طریق) غلط ہے کیونکہ اس روایت کو ''ابوبکر عبداللہ بن ابی عتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق نے حضرت عائشہ سے روایت کیا۔ اسی طرح امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا۔ چنانچہ یہاں حضرت عائشہؓ سے روایت کرنے والے ابوبکر ان کے بھائی عبدالرحمٰن کے پوتے ہیں تو اس طرح حضرت عائشہؓ ان کے باپ کی پھوپھی ہوئیں۔ (الباعث الحثیث ، ص ۲۰۱)

(۳) سلیمان بن طرخان التیمی کا اپنے بیٹے المعتمر بن سلیمان سے روایت کرنا۔

(۴) امام ابوداؤد کا اپنے بیٹے ابوبکر بن ابی داؤد سے روایت کرنا۔

شیخ ابوعمرو بن الصلاح کی رائے:

شیخ ابوعمرو بن الصلاح فرماتے ہیں کہ:

سفیان بن عیینہ نے "وائل ابن داؤد عن ابنه بکر بن وائل عن الزهری عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة" کی سند سے روایت بیان کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أخرّوا الأحمال، فانّ اليدَ مغلقةٌ، والرجل موثقةٌ۔

''بوجھ سواری کی پیٹھ کے بیچ میں رکھو بلاشبہ سواری کا اگلا پیر بوجھ کی وجہ سے بندھ جاتا ہے اور پچھلا بھی جکڑ جاتا ہے یعنی سواری پر رحم کرو۔''

خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ ''یہ روایت صرف اسی طریق سے معروف ہے۔'' اور اس روایت میں چونکہ باپ ''وائل ابن داوٗد'' نے اپنے بیٹے ''بکر بن وائل'' سے روایت کی ہے، اس لیے یہ "روایة الآباء عن الأبناء" کی مثالوں میں شامل ہے۔

(۵) ابوعمر حفص بن عمر الدوری المقرئ کا اپنے بیٹے ابوجعفر محمد سے تقریباً سولہ احادیث روایت کرنا۔

(۶) حضرت عائشہؓ سے ان کی والدہ امِ رومان کا روایت کرنا۔

مشہور تصنیف:

"روایة الآباء عن الأبناء" خطیب بغدادی

روایة الأبناء عن الآباء

روایة الأبناء عن الآباء سے مراد ایسی روایات ہیں جن میں بیٹے نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہو یا اپنے باپ کی سند سے دادا سے نقل کی ہو۔

بیٹے کا اپنے باپ سے روایت کرنا۔ جیسے: ابوالشعراء کا اپنے والد سے روایت کرنا۔ یا حضرت عبداللہ کا اپنے والد عبداللہ ابن مسعود سے روایت کرنا۔

بیٹے کا اپنے باپ کی سند سے دادا سے روایت کرنا۔ جیسے:

عمرو بن شعیب عن ابیه (شعیب) عن جده (عبدالله بن عمرو بن العاص) کی روایت۔ یا بهز بن حکیم بن معاویة بن حیده القشیری عن ابیه عن جدّه معاویة کی روایت یا طلحة بن مصرف عن ابیه عن جدّه (عمرو بن کعب) کی روایات۔

اس فن کی معرفت کی اہمیت:

اس فن کی جانکاری سے راویوں میں باپ اور دادا کے ناموں کی معرفت پیدا ہوتی ہے

اور یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ آیا روایت میں جد (دادا) سے مراد راوی کے دادا ہیں یا اس کے باپ کے دادا ہیں۔ لہٰذا علماء نے محدّث یا راوی کے ''عن جدّہ'' کہنے پر خوب تحقیق کی ہے کہ ''عن جدّہ'' کے الفاظ سے راوی یا محدث نے کس شخص کو مراد لیا ہے جیسا کہ عمرو بن شعیب کے ''عن جدّہ'' کہنے پر علماء نے یہ بات واضح کی کہ اس سے مراد ان کے والد کے دادا ہیں کیونکہ ان کا نسب ''عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص'' ہے اور عمرو بن شعیب نے ''جدّہ'' کہہ کر اپنے والد کے دادا ''عمرو بن العاص'' کو مراد لیا ہے۔

اسی طرح بہز بن حکیم کی روایت میں ''جدّہ'' سے مراد راوی کے دادا معاویہ ہیں۔

مشہور تصانیف:

(۱) روایة الأبناء عن آبائهم : ابو نصر عبیداللہ بن سعید الوائلی

(۲) جزأ من روی عن أبیه عن جدّه : ابن ابی خیثمة

(۳) کتاب الوشی المعلم فی من روی عن أبیه عن جدّه عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: حافظ العلائی، ۷۶۱ھ

روایة الأقران

أقران، قرین کی جمع ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے: ساتھی اور مصاحب۔

اصطلاحی تعریف:

المتقاربون فی السنِ والاسناد فیروی احدُ القرینینِ عن الآخر فهذه هی روایة الأقران۔

''(اقران سے مراد ہے) عمر اور سند میں ایک دوسرے کے برابر ہونا (اور روایتِ اقران سے مراد یہ ہے کہ) ایک ساتھی اپنے دوسرے ساتھی سے روایت کرے۔''

جیسے تیمی کا مسعر بن کہام سے روایت کرنا۔ جبکہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، لیکن ایسی کوئی روایت مشہور نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ مسعر بن کہام نے تیمی سے روایت کی ہے۔

مشہور تصنیف:

روایة الأقران: أبو شیخ اصفھانی۔

مدبّج

لغوی معنیٰ:

مدبّج تدبیج سے مشتق ہے۔اس کا لغوی معنیٰ ہے: ''خوبصورت''۔اسی سے دیباجتی الوجہ کا لفظ بھی نکلا ہے جس کا معنیٰ ہے ''چہرے کے دو خوبصورت حصے اور دیباجتی الوجہ کہہ کر "خدّان" یعنی دونوں رخسار مراد لیے جاتے ہیں جو دونوں یکساں خوبصورت ہوتے ہیں۔

اصطلاحی تعریف:

إنّ أخذ كلٍّ من القرينينِ عن الآخر فهو المدبّج۔

''اگر دونوں ساتھیوں نے ایک دوسرے سے روایت لی ہے تو وہ روایت مدبَّج کہلائے گی۔''

روایتِ اقران اور مدبّج میں فرق:

روایت اقران اور مدبّج میں فرق صرف اتنا ہے کہ:

(۱) روایت اقرانِ میں صرف ایک ساتھی دوسرے ساتھی سے روایت کرتا ہے۔

(۲) روایتِ مدبّج میں دونوں ساتھی ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں۔

صحابہ کرام میں روایتِ مدبّج کی مثال:

حضرت عائشہؓ کا حضرت ابو ہریرہؓ سے اور حضرت ابو ہریرہؓ کا حضرت عائشہؓ سے روایت کرنا۔

تابعین میں روایتِ مدبّج کی مثال:

زہری کا عمر بن عبد العزیز سے اور عمر بن عبد العزیز کا زہری سے روایت کرنا۔

تبع تابعین میں روایتِ مدبّج کی مثال:

امام مالکؒ کا اوزاعیؒ سے اور اوزاعیؒ کا امام مالکؒ سے روایت کرنا۔

اس فن کی اہمیت:

روایتِ اقران اور روایتِ مدبّج کی معرفت بھی ایک محدث کے لیے بے حد ضروری ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ محدث اس وہم وگمان سے محفوظ ہوجاتا ہے کہ سند میں کوئی زیادتی ہے۔ نیز ''واو'' کو اکثر ''عن'' گمان کرنے سے بھی محفوظ ہوجاتا ہے۔ (یعنی راوی اس غلط فہمی سے محفوظ ہوجاتا ہے کہ اصل عبارت ''فلان وفلان'' تھی تو راوی نے غلطی سے ''فلان عن فلانٍ'' پڑھ دیا ہے۔)

مشہور تصنیف:

المدبّج : دارقطنی۔

سابق ولائق

لغوی معنیٰ:

السابق واللائق کا لغوی معنیٰ ہے "المتقدم والمتأخّر "یعنی'' پہلے آنے والا اور بعد میں آنے والا۔''

اصطلاحی تعریف:

وهو أن يشترك فى الرواية عن الشيخ اثنانِ تباعد وفاتهما۔

''السابق واللائق سے مراد یہ ہے کہ ایک شیخ سے روایت کرنے میں دو ایسے شاگرد مشترک ہوجائیں جن کی وفات کا زمانہ دور دور ہو۔''

مثالیں:

(۱) محمد بن اسحٰق السراج (۲۱۶-۳۱۳ھ) سے ان کے دو شاگرد امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اور ابوالحسین احمد بن محمد الخفاف النیسا پوری (۳۹۳ھ) نے روایت کی ہے حالانکہ ان دونوں کی وفات کے درمیان ۱۳۷ سال کا زمانہ ہے، چنانچہ یہ السابق واللائق کی مثال ہے۔ امام بخاریؒ کی وفات پہلے ہوئی اس لیے انھیں سابق کہا جائے گا اور خفاف کی وفات بعد میں ہوئی

اس لیے انھیں لائق کہا جائے گا۔

(۲) امام مالکؒ سے ان کے دو شاگرد زہری (۱۲۴ھ) اور احمد بن اسماعیل السہمی (۲۵۹ھ) نے روایت کی ہے، لیکن ان دونوں شاگردوں کی وفات کے درمیان بھی ۱۳۵ سال کا طویل عرصہ ہے۔

زہری تابعین میں سے ہیں اور امام مالکؒ سے عمر میں بڑے ہیں، امام مالکؒ تبعِ تابعین میں سے ہیں چنانچہ زہری کا امام مالکؒ سے روایت کرنا ''روایۃ الاکابر عن الاصاغر'' کی بھی مثال ہے۔

جبکہ دوسرے راوی احمد بن اسماعیل سہمی امام مالکؒ سے عمر میں چھوٹے تھے اور انھوں نے طویل عمر پائی تھی، یہی وجہ ہے کہ زہری اور احمد بن اسماعیل سہمی کی وفات کے درمیان یہ بڑا فرق نظر آتا ہے۔

مشہور تصنیف:

كتاب السابق واللائق: خطيب البغدادی (۴۶۳ھ)

■❖■

معرفة الإخوة والأخوات

معرفة الإخــوة والأخوات سے مراد ہے ''ہر طبقے کے راویوں کے بھائیوں اور بہنوں کی شناخت۔''

علماء حدیث نے اس فن کی طرف خصوصی توجہ اس لیے مبذول کی ہے تاکہ دو راویوں یا دو سے زیادہ راویوں کے والد کا نام یکساں ہونے کی بنا پر طالب علم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ یہ دونوں راوی بھائی ہیں اور ان کے والد ایک ہی ہیں۔

مثال کے طور پر اگر سند میں عبداللہ بن دینار اور عمرو بن دینار کے نام موجود ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ دونوں سگے بھائی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ علماءِ حدیث کی اس خصوصی توجہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے حدیثوں کی روایت میں کس قدر احتیاط اور توجہ سے کام لیا ہے۔

دو بھائیوں کی مثال صحابہ میں:

عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ

عمر بن خطاب اور ان کے بھائی زید

عمرو بن العاص اور ان کے بھائی ہشام۔

دو بھائیوں کی مثال تابعین میں:

عمرو بن شرحبیل اور ان کے بھائی ارقم۔

تین بھائیوں کی مثال صحابہ میں:

علی بن ابی طالب اور ان کے دو بھائی جعفر اور عقیل۔

چار بھائیوں کی مثال تبع تابعین میں:

سہیل بن ابی صالح اور ان کے تین بھائی: عبداللہ، محمد اور صالح

پانچ بھائیوں کی مثال تابعین میں:

سفیان بن عیینہ اور ان کے چار بھائی: آدم، عمران، محمد اور ابراہیم

چھ بھائیوں کی مثال تابعین میں:

محمد بن سیرین اور ان کے پانچ بھائی بہن: انس، یحییٰ، معبد، حفصہ اور کریمہ۔

سات بھائیوں کی مثال صحابہ میں:

نعمان بن مقرن اور ان کے چھ بھائی: معقل، عقیل، سوید، سنان، عبدالرحمٰن اور عبداللہ

یہ ساتوں بھائی صحابہ ہیں، ان سب کو ہجرت کا شرف حاصل ہوا، اس حیثیت سے یہ ساتوں بھائی دوسرے صحابہ سے ممتاز ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان ساتوں بھائیوں نے غزوۂ خندق میں بھی شرکت کی ہے۔

مشہور تصانیف:

(۱) کتاب الاخوۃ: أبی المطرف بن فطیس اندلسی

(۲) کتاب الاخوۃ: أبو العباس السرّاج (۳۱۳ھ)

■❖■

المتَّفِق و المفترِق

راویوں کے متفق ہونے سے مراد یہ ہے کہ کبھی کبھی دو یا دو سے زیادہ راویوں کے نام، کنیت، نسب اور دیگر چیزیں یکساں ہوتی ہیں، جبکہ بسا اوقات ان میں سے ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہوتا ہے اس حیثیت سے راویوں کی شناخت کے لیے علماءِ حدیث نے انھیں دو قسموں میں تقسیم کیا ہے لہٰذا اگر دو یا دو سے زیادہ راوی نام، کنیت اور نسب وغیرہ میں یکساں ہوں تو وہ راوی متفق کہلاتے ہیں اور اگر دو یا دو سے زیادہ راوی کے نام کنیت اور نسب وغیرہ علیحدہ ہوں تو وہ راوی مفترق کہلاتے ہیں۔

مثال:

خلیل بن احمد درج ذیل چھ افراد کے نام ہیں:

(۱) علم العروض کے واضع اور سیبویہ کے استاد فراہدی۔

(۲) ابو بشر المزنی البصری

(۳) اصفہانی

(۴) ابو سعید سنجری خراسانی حنفی فقیہ

(۵) ابو سعید بستی قاضی (بیہقی نے ان سے روایت کی ہے)

(٦) ابو سعید بستی شافعی (انھوں نے ابو حامد الاسفراینی سے روایت کی ہے۔)

دوسری مثال:

احمد بن جعفر بن حمدان درج ذیل چار افراد ہیں:

(۱) قطیعی
(۲) بصری
(۳) دینوری
(۴) طرسوسی

تیسری مثال:

ابوبکر بن عیاش درج ذیل تین افراد ہیں:

(۱) مشہور قاری

(۲) سلمی باجدائی (صاحب غریب حدیث)

(۳) حمصی مجہول

خطیب بغدادی نے اپنی کتاب المتفق والمفترق میں ایک نام کے سترہ افراد کا تذکرہ کیا ہے۔

مشہور تصانیف:

(۱) المتفق والمفترق: خطیب بغدادی (۱۸ جلدوں میں)

(۲) الأنساب المتفقة: حافظ محمد بن طاہر (۵۰۷ھ)

اس کتاب میں خاص طور پر متفق رواۃ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

■✤■

المؤتلف والمختلف

مؤتلف کی تعریف:

هو اتفاق الاسماء أوِ الألقاب أو الكنى أو الأنسابِ خطاً واختلافها لفظاً.

"(مؤتلف سے مراد یہ ہے کہ دو یا دو سے زیادہ) راویوں کے نام، لقب، کنیت یا نسب کی شکل تو یکساں ہو لیکن تلفظ مختلف ہو۔"

فائدہ:

راویوں کی اس طرح کی شناخت کا فائدہ یہ ہے کہ راویوں کے ناموں کو ضبط کیا جاسکے۔ ناموں کی ادائیگی میں ہر طرح کے التباس ترمیم وتبدیلی اور وہم سے محفوظ رہا جاسکے۔

مثال:

(۱) سلام اور سلاّم (پہلا لام مخفف ہے اور دوسرا لام مشدّد ہے۔)

(۲) مِسوَر اور مُسوَّر (پہلا میم کے کسرہ، سین کے ساکن اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ اور دوسرا میم کے ضمہ، سین کے فتحہ اور واؤ کے مشدد کے ساتھ)

(۳) التوری اور التوزی (پہلا ت اور ر کے ساتھ دوسرا ت اور ز کے ساتھ)

(۴) عُمارة اور عِمارة اور عَمّارۃ اور غُمارۃ

(۵) حِزام اور حَرام اور خُزّام اور حَزّام اور خُزام

مشہور کتابیں:

(۱) **المؤتلف والمختلف: عبدالغنی بن سعید**

(۲) **الإکمال: ابن ماکولا (۴۷۵ھ)**

(۳) **الإکمال کا حاشیہ: ابوبکر بن نقطه**

المتشابه

متشابہ سے مراد یہ ہے کہ راویوں کے ناموں کی شکل اور تلفظ تو یکساں ہو لیکن والد کے نام کا تلفظ مختلف ہو جبکہ شکل اس کی بھی یکساں ہو یا پھر معاملہ اس کے برعکس ہو یعنی والد کے نام کی شکل اور تلفظ یکساں ہو، لیکن راوی کے نام کا تلفظ مختلف ہو۔

فائدہ:

اس نوع کی شناخت کا فائدہ بھی یہی ہے کہ راویوں کے ناموں کو ضبط کر کے ہر طرح کی ترمیم وتبدیلی غلطی اور وہم سے محفوظ رہا جا سکے گا۔

مثالیں:

(۱) محمد بن عُقَیل (عین کے ضمہ کے ساتھ)
محمد بن عَقیل (عین کے فتحہ کے ساتھ)
اس مثال میں والد کے نام کا تلفظ مختلف ہے۔

(۲) شُریح بن نعمان
سُریج بن نعمان
اس مثال میں راویوں کے نام کا تلفظ مختلف ہے۔

(۳) موسیٰ بن علِی
موسیٰ بن علَیّ
اس مثال میں والد کے نام کا تلفظ مختلف ہے۔

متشابہ کی اقسام:

(۱) راوی اور والد کے نام میں ایک یا دو حروف کا اختلاف۔ جیسے:

محمد بن حنين اور محمد بن حبير

(۲) راوی اور والد کے نام میں تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔
تقدیم وتاخیر کے اختلاف کی دو قسمیں ہیں:
(الف) اسماء کی تقدیم وتاخیر کا اختلاف جیسے:

الاسود بن یزید اور یزید بن الاسود

(ب) حروف کی تقدیم وتاخیر کا اختلاف۔ جیسے:

ایوب بن یسار اور ایوب بن سیّار

مشہور تصانیف:

(۱) تلخیص المتشابہ فی الرسم وحمایة ما أشکل منه عن بوارد التصحیف والوهم: خطیب بغدادی

(۲) تالی التلخیص: خطیب بغدادی

(یہ کتاب مذکورہ بالا کتاب کا حاشیہ ہے)

■❖■

المھمل

مہمل کا لغوی معنیٰ ترک کیا ہوا۔ مہمل کا دوسرا نام متروک ہے۔ مہمل سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنی سند میں کوئی ایسا نام یا کنیت یا ولدیت لے آئے جس نام یا کنیت یا ولدیت کے دو افراد ہوں لیکن کسی ایسی شناخت کا تذکرہ نہ کرے جوان دونوں افراد کوایک دوسرے سے ممتاز کردے۔ چنانچہ اگر یہ دونوں افراد ثقہ ہوں تو حدیث کی صحت مجروح نہیں ہوگی۔

لیکن اگران میں سے ایک راوی ثقہ اور دوسرا ضعیف ہو تو اس وقت یہ اہمال حدیث کی صحت کو مجروح کردے گا کیونکہ اس سے سند میں یہ احتمال پیدا ہوجائے گا کہ مذکورہ راوی کہیں ضعیف نہ ہو۔

دونوں راویوں کے ثقہ ہونے کی مثال:

امام بخاری کی روایت: عن احمد عن ابن وہب۔ اس مثال میں ''احمد'' سے مراد احمد بن صالح بھی ہو سکتے ہیں اور احمد بن عیسیٰ بھی اور یہ دونوں ہی ثقہ راوی ہیں لہٰذا راوی کی شناخت نہ ہونے کے باوجود بھی حدیث صحیح ہوگی کیونکہ بہرحال احمد ثقہ راوی ہیں۔

دونوں راویوں میں سے ایک کے ضعیف ہونے کی مثال:

مثال کے طور پر سلیمان بن داوٗد نام کے دو افراد ہیں ایک سلیمان بن داوٗد خولانی جو کہ ثقہ راوی ہیں اور دوسرے سلیمان بن داوٗد یمامی یہ ضعیف راوی ہیں۔ لہٰذا اگر روایت میں سلیمان بن داوٗد کا نام آجائے اوران کی شناخت کا تذکرہ نہ ہو تو روایت ضعیف ہوجائے گی کیونکہ اس وقت روایت میں راوی کے ضعیف ہونے کا احتمال پیدا ہوجائے گا۔

مشہور تصانیف:

(۱) کتاب الکمال فی بیان المھمل: خطیب بغدادی

(۲) رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب: خطیب بغدادی

المبہم

مبہم سے مراد یہ ہے کہ حدیث کی سند یا متن میں کوئی راوی مبہم ہو یا پھر کوئی ایسا شخص مبہم ہو جس کا حدیث میں نام آیا ہو۔

مبہم کی شناخت کا طریقہ:

مبہم شخص کی شناخت یا تو کسی روایت میں اس کا نام آجانے سے ہوتی ہے یا پھر اہلِ سیر کی وضاحت سے ہوتی ہے۔

مبہم کی اقسام

مبہم شخص اور اس کی وجہ سے پیدا ہونے والے ضعف کی شدّت کے اعتبار سے مبہم کی درج ذیل چار اقسام ہیں:

۱۔ رجل اور امرأۃ کا ابہام:

کبھی کبھی روایت میں "رجل" یا "امراۃ" کہہ کر چھوڑ دیا جاتا ہے اور اس رجل یا امراۃ کے نام کی وضاحت نہیں کی جاتی۔ جیسے ابنِ عباسؓ کی یہ حدیث:

أنَّ رجلاً قال: یا رسول اللّٰہ الحجُّ کلَّ عام۔

"ایک شخص نے پوچھا: یارسول اللہ! حج ہر سال ہے؟"

اس مثال میں "رجل" کی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ جبکہ ایک دوسری روایت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ یہ "رجل" اُقرع بن حابس ہیں۔

"رجل" کے ابہام کی ایک اور مثال "ابن سعید" کی یہ حدیث ہے:

أنّھم مرّوا بحی قد لدغ سیدھم فرقاہ رجل منھم۔

"صحابہ کرام ایک ایسے قبیلہ سے گزرے جس کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا تھا، تو صحابہ کرام سے ایک شخص نے اس پر دم کردیا۔"

اس مثال میں رجل سے مراد ابوسعید ہیں جو ابن سعید کے دادا ہیں۔

۲-ابن اور بنت کا ابہام:

کبھی کبھی روایت میں ابن یا بنت کا لفظ ذکر کردیا جاتا ہے اور اس ابن یا بنت کے نام کی وضاحت نہیں کی جاتی۔

نوٹ:-مبہم کی اس قسم میں (۱) اخ (۲) اخت (۳) ابن اخ (۴) ابن اخت (۵) بنتِ اخ اور (۶) بنتِ اخت بھی شامل ہیں۔

جیسے ام عطیہ کی حدیث:

غسلت بنت النبی ﷺ بماء و سدر.

''میں نے نبی ﷺ کی صاحبزادی کو پانی اور بیری سے غسل دیا۔''

اس میں بنت سے مراد حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔

۳-عم اور عمۃ کا ابہام:

کبھی روایت میں عم یا عمۃ کا لفظ مذکور ہوتا ہے لیکن اس عم یا عمۃ کے نام کی وضاحت نہیں کی جاتی۔نوٹ: مبہم کی اس قسم میں خال اور خالۃ بھی شامل ہیں۔

جیسے: حضرت جابر کی ان پھوپھی کی حدیث جو اپنے والد محترم پر روئی تھیں، جنھیں غزوہ احد میں شہید کردیا گیا تھا، ان کی پھوپھی کا نام فاطمہ بنت عمرو ہے۔ اور رافع بن خدیج کی حدیث **عن عمه فی النهی عن المخابرة**۔عم سے مراد ان کے چچا ظہیر بن رافع ہیں۔

۴-زوج اور زوجۃ کا ابہام:

کبھی کبھی روایت میں زوج اور زوجۃ کا لفظ ذکر کیا جاتا ہے لیکن اس زوج یا زوجہ نام کی وضاحت نہیں کی جاتی۔ جیسے بخاری و مسلم کی روایت ''زوج'' سبیعۃ کی حدیث، ان کے شوہر کا نام سعد بن خولہ تھا، اور عبدالرحمٰن بن زبیر کی اُن بیوی کی حدیث جو رفاعۃ القرظی کے نکاح میں تھیں تو ان کو انھوں نے طلاق دے دی تھی۔ ان کا نام تمیمۃ بنت وہب ہے۔

مشہور تصنیف:

(۱) **المستفاد من مبهمات المتن والاسناد: ولی الدین عراقی**

معرفة الوحدان

وحدان ان راویوں کو کہا جاتا ہے جن سے صرف ایک راوی نے روایت کی ہو۔

صحابہ میں وحدان کی مثالیں:

عروہ بن مضرسؓ، عامر بن شہرؓ، اور محمد بن صفوان انصاریؓ ایسے صحابہ ہیں جن سے صرف شعبی نے روایت کی ہے۔ اسی طرح میبّب بن حربؓ سے صرف ان کے بیٹے سعید نے روایت کی ہے۔ اسی طرح مرداس بن مالک اسلمیؓ سے صرف قیس بن ابی حازم نے روایت کی ہے۔

تابعین میں وحدان کی مثالیں:

ابوالشعراء دارمی سے صرف حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بیس سے زیادہ تابعین سے صرف زہریؒ نے روایت کی ہے اور تقریباً دس شیوخِ مدینہ سے صرف امام مالکؒ نے روایت کی ہے۔

شیخین میں وحدان کی مثالیں:

ابوطالب کی وفات کے سلسلے میں مسیّب بن حزم کی حدیث صرف امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کی ہے۔

اسی طرح قیس بن ابی حازم کی یہ حدیث جو مرداس بن اسلمی سے مروی ہے:

یذهب الصالحون الاول والاول۔

اس حدیث کو صرف امام بخاری نے نقل کیا ہے۔

کیا وحدان کا یہ تفرد راوی کی شخصیت کو مجروح کرے گا؟

وحدان اگر صحابہ کرام میں سے ہوں گے تو یہ تفرد ان کی شخصیت کو مجروح نہیں کرے گا۔ کیونکہ صحابہ کرام تمام کے تمام عدول ہیں۔

لیکن اگر وحدان صحابہ کرام کے علاوہ ہوں گے تو ان کے سلسلے میں اختلاف ہے کہ عادل کی اپنے استاد سے روایت استاذ کی عدالت وثقاہت کی ضامن ہوگی۔

(الف) بعض محدثین کا خیال ہے کہ عدالت کی ضامن ہوگی جبکہ راوی ایسا شخص ہو جو استاذ کی عدالت کو شرط قرار دیتا ہو جیسے امام مالکؒ اور دوسرے فقہاء کرام۔

(ب) اور اگر ایسا نہیں ہے یعنی راوی ایسا شخص ہے جو استاذ کی عدالت کو ضروری نہیں قرار دیتا تو اس کی روایت تعدیل کے قائم مقام نہ ہوگی۔

مشہور تصنیف:

المنفردات والوحدان: امام مسلم

ایسے راوی کی شناخت جس کا مختلف ناموں یا مختلف صفات سے ذکر کیا گیا ہو

تعریف:

هو راوٍ وصف باسماء أو القابٍ او كنىً مختلفةٍ من شخص واحدٍ أو من جماعة وكثيراً ما يفعل ذلك المدلّسون.

''ایک راوی ہے جس کو مختلف ناموں یا القاب یا متعدد کنیتوں سے موسوم کیا جاتا ہے وہ ایک شخص سے روایت کرتا ہے یا ایک جماعت سے۔ عام طور سے ایسا مدلس کرتے ہیں۔''

جیسے: محمد بن سائب کلبی حدیث اور تفسیر کے عالم ہیں لیکن ضعیف ہیں؛ چنانچہ کچھ لوگوں نے ان کے نام کی صراحت کی ہے، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن میں کسی نے انھیں ابونضر کسی نے حماد بن سائب اور کسی نے ابوسعید کے نام سے ذکر کیا ہے۔

ابن صلاح فرماتے ہیں:

هو الذی یروی عنه عطیه العوفی التفسیر موهماً انّه أبوسعید الخدری۔

''محمد بن سائب کلبی سے عطیہ العوفی تفسیر روایت کرتے ہیں اور ان کو ابوسعید کہا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں یہ ابوسعید خدری سے روایت ہے۔''

خطیب بغدادی نے بھی اپنے اساتذہ کا ذکر مختلف ناموں سے کیا ہے۔ مثال کے طور پر کبھی وہ ابوقاسم ازہری سے کبھی عبیداللہ بن ابی الفتح فارسی سے اور کبھی عبیداللہ بن احمد بن عثمان الصیرفی سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ یہ تینوں ایک ہی شخص ہیں۔ اس چیز کی جانکاری بھی ضروری ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا جو بہت سے لوگوں کا خدشہ تھا وہ ختم ہوجائے گا اور بہت سے لوگوں کے ہونے کا جو خیال تھا، وہ بھی ختم ہوجائے گا اور تدلیس ہے تو وہ بھی واضح ہوجائے گی۔

مشہور تصانیف:

(۱) إیضاح الأشکال: حافظ عبدالغنی بن سعید

(۲) موضح أوهام الجمع والتفریق: خطیب بغدادی

■❖■

مفرد اسماء کنیت اور القاب کی شناخت

مفردات کی تعریف:

مفردات سے مراد راویوں کے ایسے اسماء، کنیت یا القاب ہیں جن سے صرف ایک ہی راوی پہچانا جائے اور کسی دوسرے راوی کا ایسا نام نہ ہو۔

اکثر یہ مفردات عجیب وغریب ہوتے ہیں اور زبان پران کی ادائیگی دشوار ہوتی ہے۔

صحابی کے نام کی مثال:

احمد بن عجیان اور سَنْدَر

صحابی کی کنیت کی مثال:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ''ابوالحمراء'' ان کا نام ہلال بن حارث تھا۔

اسی طرح ''ابوالسنابل عبید ربہ بن بعکک'' یہ قبیلہ بنوعبدالدار کے ہیں، ان کا نام، کنیت اور ولدیت تینوں مفردات ہیں۔

صحابی کے لقب کی مثال:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ''سفینہ'' ان کا نام مہران تھا۔

دیگر راویوں کے نام کی مثال:

اوسط بن عمرو	ضریب بن نقیر بن سمیر
نوف البکالی	کلدۃ بن حنبل

دیگر راویوں کی کنیت کی مثال:

(۱) ابوعبیدین (ان کا نام معاویہ بن سبرہ تھا)

(۲) ابومرایۃ العجلی (ان کا نام عبداللہ بن عمرو تھا)
(۳) ابومعید (ان کا نام حفص بن غیلان الدمشقی تھا)

دیگر راویوں کے لقب کی مثال:

مندل (ان کا نام عمرو بن علی العنزی الکوفی تھا)

مشہور تصانیف:

(۱) الأسماء المفردة: حافظ أحمد بن هارون البرديجى
(۲) تقريب التهذيب: ابن حجر
(۳) كتاب الجرح والتعديل: ابن ابى حاتم
(۴) كتاب الإكمال: ابن ماكولا.

■❖■

ایسے راویوں کے ناموں کی شناخت جو اپنی کنیت سے مشہور ہیں

کنیت سے معروف ہونے والے راویوں کی دس قسمیں ہیں:

(۱) ایسے راوی جن کا کنیت ہی نام ہو، جیسے ابو ہلال اشعری۔

(۲) ایسے راوی جو اپنی کنیت سے معروف ہیں لیکن یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ ان کا کوئی دوسرا نام ہے یا نہیں۔ جیسے ابو اُناس اور ابو مویہبہ نامی دو صحابیؓ ہیں۔ اسی طرح امام مالکؒ کے استاد ابو بکر بن نافع ہیں۔ ان کے علاوہ ابو شیبہ حدری مدنی کا بھی اس کنیت کے سوا کوئی دوسرا نام معلوم نہ ہوسکا۔

(۳) ایسے راوی جن کی دو کنیتیں معروف ہیں۔ ایک کنیت بطور لقب معروف ہوئی اور دوسری بطور کنیت اس کے علاوہ وہ اپنے نام سے بھی معروف ہوں جیسے: ابو تراب حضرت علی بن ابی طالب کا لقب ہے اور ابو الحسن ان کی کنیت۔ اسی طرح عبداللہ بن ذکوان کا لقب ابو الزناد ہے اور کنیت ابو عبدالرحمٰن، اسی طرح حافظ عمر بن ابراہیم کا لقب ابو الآذان اور کنیت ابو بکر معروف ہے۔ کانوں کے بڑے ہونے کی وجہ سے ابو الآذان کے لقب سے معروف ہوئے۔

(۴) ایسے راوی جو دو یا دو سے زیادہ کنیتوں سے مشہور ہیں جیسے ابو جریج کی دوسری کنیت ابو ولید اور تیسری کنیت ابو خالد ہے۔

اسی طرح سہیلی کی ایک کنیت ابو قاسم اور دوسری کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔

(۵) ایسے راوی جن کی کنیت کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ جیسے اسامہ بن زید کی کنیت کچھ لوگ ابو محمد اور کچھ ابو خارجہ بتاتے ہیں۔

(۶) ایسے راوی جن کی کنیت مشہور ہے لیکن ان کے نام کے سلسلے میں اختلاف ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہؓ کے نام اور ولدیت کے سلسلہ میں تیس سے زائد اقوال ہیں اور سب سے مشہور قول یہ ہے کہ ان کا نام عبدالرحمٰن بن صخر ہے۔ اسی طرح ابو بکر بن عیاش

کے نام کے سلسلے میں گیارہ اقوال ہیں لیکن ابو زرعہ اور ابن عبدالبر کے صحیح قول کے مطابق ان کا نام شعبہ ہے۔

(۷) ایسے راوی جن کے نام اور کنیت دونوں میں اختلاف ہے۔ جیسے کہ سفینہ راوی کا نام ایک قول کے مطابق عمیر دوسرے قول کے مطابق صالح اور تیسرے قول کے مطابق مہران ہے۔ اسی طرح ان کی کنیت بھی ایک قول کے مطابق ابوعبدالرحمٰن اور دوسرے قول کے مطابق ابوالبختری ہے۔

(۸) ایسے راوی جن کے نام کنیت دونوں ایک ساتھ مشہور ہیں۔ جیسے: ابوعبداللہ سفیان ثوری، ابوعبداللہ مالک بن انس، ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی، ابوعبداللہ احمد بن حنبل، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت۔

(۹) ایسے راوی جو اپنی کنیت سے مشہور ہوئے لیکن ان کا نام بھی معروف ہے۔ جیسے: ابوادریس خولانی کا نام عائذ اللہ بن عبداللہ ہے۔ ابو اسحٰق سبیعی کا نام عمر بن عبداللہ ہے۔ ابو حازم کا نام مسلمہ بن دینار ہے۔

(۱۰) ایسے راوی جو اپنے نام کے ساتھ ساتھ کنیت سے بھی معروف ہوئے جیسے طلحہ بن عبداللہ تیمی کی کنیت ابومحمد ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کی کنیت بھی ابومحمد ہے، حسن بن علی بن ابی طالب کی کنیت بھی ابومحمد ہے۔

فائدہ:

اس فن کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ جب ایک شخص کا ذکر ایک جگہ اس کے نام سے اور دوسری جگہ اس کی کنیت سے کیا جائے تو طالب علم یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ راوی ہیں۔ ایسے راویوں کی شناخت کے لیے مصنّفین نے اپنی کتابوں میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے ابواب قائم کیے ہیں۔ مثال کے طور پر الف کے باب میں ابواسحٰق کا ذکر کر کے ان کا نام تحریر کیا اور پھر ب کے باب میں ابوبشیر کا ذکر کر کے ان کا نام تحریر کیا ہے۔

مشہور تصنیف:

کتاب الکنی والأسماء: دولابی ابن بشیر محمد بن احمد (۳۱۰ھ)

القاب کی شناخت

القاب کی دوقسمیں ہیں:

(۱) ایسے القاب جن سے کسی کا تعارف کرنا جائز ہے۔

(۲) ایسے القاب جن سے کسی کا تعارف کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ القاب اس کو ناگوار ہیں۔ ائمہ حدیث نے بسا اوقات تعارف اور شناخت کی غرض سے ایسے القاب کا ذکر کیا ہے لیکن محدثین کا مقصود ان کی مذمت بیان کرنا نہیں ہے بلکہ ان کی شناخت و پہچان مقصود ہے۔ مثالیں:

الضال: یہ معاویہ بن عبدالکریم ضال کا لقب ہے، ان کا یہ لقب اس لیے پڑا کیونکہ ایک مرتبہ وہ مکہ کے راستے میں بھٹک گئے تھے۔

ضعیف: یہ عبداللہ بن محمد ضعیف کا لقب ہے، ان کا یہ لقب اس لیے پڑا کیونکہ وہ جسمانی اعتبار سے کمزور تھے۔

عارم: عارم کا معنیٰ ہے "شریر"۔ یہ ابونعمان محمد بن فضل سدوسی کا لقب ہے، حالانکہ وہ ایک صالح شخص تھے۔

غُندُر: اہلِ حجاز کی لغت کے مطابق غندر کا معنیٰ ہے **"المُشغِّب"** یعنی غنڈہ، فسادی۔ یہ محمد بن جعفر بصری کا لقب ہے اور اس لقب کا سبب یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابن جریج بصرہ تشریف لائے تو انھوں نے حسن بصریؒ کے طریق سے کوئی روایت بیان کی تو لوگوں نے اس کا انکار کیا اور شور وغل کرنے لگے اور محمد بن جعفر نے جب زیادہ شور کیا تو ان سے ابن جریج نے کہا:

اسکت یا غندر۔

تبھی سے ان کا لقب غندر پڑ گیا۔

غنجار: یہ عیسیٰ بن موسیٰ تیمی کا لقب ہے۔ ان کے چہرے کی سرخی کی وجہ سے ان کا یہ لقب پڑا۔

صاعقہ: یہ محمد بن ابراہیم حافظ کا لقب ہے، امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کی اچھی یادداشت اور قوتِ حافظہ کے سبب ان کا یہ لقب پڑا۔

مشکدانہ: یہ فارسی کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ''مشک کا دانہ'' یہ عبداللہ بن عمر اموی کا لقب ہے۔

مطین: یہ ابو جعفر حضرمی کا لقب ہے۔ مطین کا لغوی معنیٰ ہے ''ملطخ''، یعنی مٹی میں لتھڑا ہوا۔ ان کا یہ لقب پڑنے کا سبب یہ ہے کہ بچپن میں وہ دوسرے بچوں کے ساتھ پانی میں کھیلتے تھے تو بچے ان کی پیٹھ پر مٹی لتھیڑ دیا کرتے تھے تو ایک مرتبہ ابونعیم نے ان سے کہا کہ ''اے مطین تم علم کی محفلوں میں حاضر کیوں نہیں ہوتے۔'' ابونعیم کے اسی جملے سے ان کا لقب مطین پڑ گیا۔

شباب: یہ مؤرخ خلیفہ بن خیاط کا لقب ہے۔

زنیج: یہ امام مسلم کے استاد محمد بن عمرو رازی کا لقب ہے۔

سنید: یہ مفسر حسن بن داؤد کا لقب ہے۔

مربع: یہ حافظ محمد بن ابراہیم بغدادی کا لقب ہے۔

فائدہ:

اس فن کو جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ایک راوی کا ذکر ایک جگہ اس کے نام سے اور دوسری جگہ اس کے لقب سے کیا جائے تو اس کی شناخت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح لقب پڑنے کا سبب بھی معلوم ہو جاتا ہے اور بدگمانی کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔

مشہور تصنیف:

نزهة الألباب: حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)

■❖■

ایسے راویوں کی شناخت جو اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف منسوب ہوں

راویوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنے باپ کی طرف منسوب نہ ہوکر کسی دوسرے سے منسوب ہیں جیسے ماں دادایا استاد وغیرہ۔

ایسے راویوں کی درج ذیل قسمیں ہیں:

(۱) ایسے راوی جو اپنی ماں سے منسوب ہیں جیسے معاذ بن عفراء، معوذ بن عفراء، عوذ بن عفراء۔ حالانکہ ان تینوں بھائیوں کے والد کا نام حارث بن رفاعہ انصاری ہے۔ اسی طرح بلال بن حمامہ کے والد کا نام رباح ہے۔ محمد بن الحنفیہ کے والد کا نام علی بن ابی طالب ہے۔ شرحبیل بن حسنہ کے والد کا نام عبداللہ بن مطاع کندی ہے۔ اسماعیل بن عُلَیّہ کے والد کا نام ابراہیم ہے۔

(۲) ایسے راوی جو اپنی دادی کی طرف منسوب ہیں جیسے: یعلی بن منیۃ کے والد کا نام امیہ اور دادی کا نام منیہ ہے۔ بشیر بن خصاصیہ کے والد کا نام معبد ہے اور خصاصیہ ان کی پردادی کا نام ہے۔

(۳) ایسے راوی جو اپنے دادا سے منسوب ہیں جیسے ابوعبیدہ بن الجراح کا نام عامر بن عبداللہ بن الجراح فہری ہے۔ ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج ہے۔ ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب ہے۔ احمد بن حنبل کا نام احمد بن محمد بن حنبل شیبانی ہے۔

(۴) ایسے راوی جو کسی وجہ سے کسی اجنبی کی طرف منسوب ہیں۔ جیسے: مقداد بن عمرو بن ثعلبہ کندی کو مقداد بن الاسود کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ماں کے شوہر اسود بن عبد یغوث کی پرورش میں پروان چڑھے تو انھیں کی طرف منسوب ہوگئے۔ اسی طرح حسن بن دینار بھی اپنی ماں کے شوہر دینار کے زیرِ سایہ پروان چڑھنے کے سبب اسی نسبت سے مشہور ہوگئے حالانکہ ان کا اصل نام حسن بن واصل ہے۔

اس نسبت کی شناخت جو اپنے ظاہر کے خلاف ہو

کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی نسبت کسی مکان، غزوہ یا پیشے کی طرف کی جاتی ہے۔ لیکن درحقیقت وہ ان کی نسبت نہیں ہے بلکہ کسی وجہ سے وہ اس کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں۔ اس فن کو جاننے کا فائدہ یہ ہے کہ راویوں کی نسبت کا سبب معلوم ہو جاتا ہے۔

مثالیں:

(۱) ابو مسعود بدری غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے لیکن اس کی طرف منسوب ہیں کیونکہ انھوں نے وہاں قیام کیا تھا۔

(۲) یزید فقیر اگرچہ فقیر (غریب) نہ تھے، لیکن ان کو فقیر اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ ان کی ریڑھ کی ہڈی میں تکلیف تھی اور عربی میں ریڑھ کی ہڈی کو ''فقار'' کہا جاتا ہے۔

(۳) سلیمان بن طرخان تیمی اگرچہ تیمی نہ تھے، لیکن ان لوگوں کے درمیان قیام کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

(۴) خالد حذّاء اگرچہ موچی نہ تھے، لیکن ان لوگوں کی ہم نشینی کی وجہ سے حذّاء کہلائے۔

(۵) محمد بن سنان عوقی اگرچہ باہلی تھے، لیکن بصرہ میں مقام عوقی میں قیام کی وجہ سے عوقی کہلائے۔

(۶) امام مسلمؒ کے استاد احمد بن یوسف سلمی اگرچہ ازدی ہیں، لیکن اپنی ماں کے قبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔

مشہور تصانیف:

(۱) کتاب الانساب : سمعانی

(۲) اللباب فی تهذیب الانساب: ابن اثیر (یہ کتاب سمعان کی کتاب الانساب کی تلخیص ہے)

(۳) لب اللباب : سیوطی (یہ کتاب ابنِ اثیر کی ''اللباب فی تهذیب الانساب'' کی تلخیص ہے)

راویوں کی تاریخ پیدائش، وفات اور عمر کی شناخت

راویوں کی تاریخ پیدائش، تاریخِ وفات، سفر، شیوخ سے ان کا سماع اور ان کے حالاتِ زندگی سے واقفیت اس قدر اہم فن ہے کہ اس کے بغیر روایت کے اتصال اور انقطاع کی شناخت ناممکن ہے۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب راویوں نے جھوٹ کا استعمال کیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ کا استعمال کیا اور علماء نے تاریخ کا استعمال کیا تو بہت سی ایسی موضوع روایات باطل ہوگئیں جنھیں کذابین نے گڑھ لیا تھا کیونکہ ان میں سے بہت سی روایات ان راویوں کی طرف منسوب کر کے گڑھی گئی تھیں جو کئی سال پہلے انتقال کر چکے تھے۔

مثالیں:

(۱) رسول اللہ ﷺ کی وفات: ۱۲/ربیع الاول ۱۱ھ بروز دوشنبہ

(۲) ابوبکر صدیقؓ کی وفات: جمادی الاولیٰ ۱۳ ہجری

(۳) عمر بن خطابؓ کی وفات: ذی الحجہ، ۲۳ ہجری

(۴) عثمان بن عفانؓ کی شہادت: ذی الحجہ ۳۵ ہجری

(۵) علی بن ابی طالبؓ کی شہادت: رمضان ۴۰ ہجری

ائمہ اربعہ:

(۱) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ: ۸۰ھ تا ۱۵۰ھ
(۲) مالک بن انسؒ: ۹۳ھ تا ۱۷۹ھ
(۳) محمد بن ادریس شافعیؒ: ۱۵۰ھ تا ۲۰۴ھ
(۴) احمد بن حنبلؒ: ۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ

مشہور تصنیف:

كتاب الوفيات: ابن زبير محمد بن عبيد الله ربعي (۳۷۹ھ)

یہ دمشق کے محدث ہیں فاضل مصنف نے اس کتاب کو سنِ وفات کے اعتبار سے مرتب کیا ہے۔ اس کے علاوہ کتانی، اکفانی اور عراقی وغیرہ نے **كتاب الوفيات** پر حاشیے تحریر کیے ہیں۔

ایسے ثقہ راویوں کی شناخت جو اختلاط میں مبتلا ہو گئے

اختلاط:

اختلاط سے مراد یہ ہے کہ کسی وجہ سے کسی ثقہ راوی کی یا تو عقل میں فساد پیدا ہو جائے یا اس کے اقوال مربوط نہ رہیں خواہ ایسا کسی خوف کے سبب ہو یا بینائی جاتے رہنے کے سبب یا پھر کتابوں کے فوت ہو جانے کے سبب یا کوئی اور سبب ہو۔

راویوں کی شناخت کی یہ قسم اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیا ثقہ راوی سے یہ حدیث اختلاط سے پہلے روایت کی گئی ہے یا بعد میں۔ چنانچہ اختلاط سے پہلے کی روایت مقبول ہے لیکن اختلاط کے بعد کی روایت قابلِ قبول نہیں ہوگی اور اگر یہ شک ہو کہ آیا یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی تو شک کے ختم ہو جانے تک توقف کیا جائے گا۔

مختلف راویوں کی اقسام:

(۱) ایسے راوی جو سٹھیانے کی وجہ سے مختلط ہو گئے جیسے عطاء بن سائب ثقفی، ابواسحٰق سبعی، سعید بن ابی عروبہ اور سفیان بن عیینہ اپنی وفات سے دو سال پہلے۔

(۲) ایسے راوی جو بینائی فوت ہو جانے کے سبب مختلط ہو گئے، جیسے عبدالرزاق بن ہمام صنعانی۔

(۳) ایسے راوی جو دیگر اسباب کے سبب مختلط ہو گئے، جیسے عبداللہ بن لہیعہ مصری اپنی کتابوں کے جل جانے کے سبب مختلط ہو گئے تھے۔

مشہور تصنیف:

کتاب الاغتیاط بمن رمی بالاختلاط: حافظ ابراھیم بن محمد مسبط بن العجمی۔ ۸۴۱ھ

راویوں کے طبقات کی شناخت

طبقہ کا لغوی معنیٰ:

طبقہ کا لغوی معنیٰ ہے "کسی ایک وصف میں مشترک افراد۔"

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں طبقہ سے مراد ایسے افراد ہیں جو عمر میں اور اسناد میں (یعنی استاد سے حدیث سننے میں) ہم عصر ہوں یا پھر صرف اسناد میں مشترک ہوں۔

اسناد کا اشتراک:

اسناد کے اشتراک سے مراد یہ ہے کہ جو اساتذہ ایک راوی کے ہوں وہی دوسرے راوی کے بھی ہوں۔

فائدہ:

اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ ایک قسم کے افراد کے تشابہ سے بچنا ممکن ہوجاتا ہے خصوصاً جب کہ وہ نام، کنیت اور نسب میں مشترک ہوں۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی ایک اعتبار سے ایک طبقہ سے اور کسی دوسرے اعتبار سے دو طبقوں سے ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر انس بن مالکؓ اور کچھ دیگر صغار صحابہ عشرۂ مبشرہ کے طبقہ میں اس اعتبار سے شامل ہیں کہ وہ سب صحابہ ہیں اور بعض محدثین کے نزدیک صحابہ کرام ایک ہی طبقہ ہیں۔

لیکن قبولِ اسلام میں سبقت کے اعتبار سے صحابہؓ کے دس سے زیادہ طبقات ہیں چنانچہ اس اعتبار سے انس بن مالکؓ اور ان جیسے دیگر صحابہ عشرۂ مبشرہ کے طبقے میں داخل نہیں ہیں۔

تمییز الطبقة:

طبقات کی تمیز راویوں کی جائے پیدائش، ان کی وفات اور ان کے اساتذہ اور شاگردوں کی شناخت کے ذریعے کی جاتی ہے۔

مشہور تصانیف:

(۱) الطبقات الکبری: ابن سعد ۲۳۰ھ

(۲) طبقات القراء: ابن عمر الدانی

(۳) طبقات الشافعیة الکبریٰ: عبدالوھاب سبکی.

(۴) تذکرۃ الحفاظ: ذھبی ۷۴۸ھ

■❖■

موالی رواۃ اور علماء کی شناخت

مولیٰ:

موالی، مولیٰ کی جمع ہے، اور یہ کلمہ اضداد میں سے ہے۔ اس کا اطلاق غلام اور آقا دونوں پر ہوتا ہے۔ اسی طرح مولیٰ کا اطلاق آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے (یعنی معتِق اور مُعتَق) دونوں پر ہوتا ہے۔

اصطلاحی معنیٰ:

محدثین کی اصطلاح میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی کا حلیف ہو یا کسی کا آزاد کردہ ہو یا جس نے کسی دوسرے کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ہو۔

ولاء کی درج ذیل تین قسمیں ہیں:

ولاءِ عتق:

آزاد کردہ غلام اپنے آزاد کرنے والے آقا کی طرف منسوب ہو جاتا ہے جیسے ثوبان،

شقران، رویفع، زید بن حارثہ، سفینہ اور مہران۔ موالی رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں آزاد کیا تھا اور اس لیے وہ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہیں۔

ولاءِ حلف:

وہ افراد جو کسی معاہدے کی وجہ سے مولیٰ بن گئے ہوں، جیسے امام مالک بن انس اصبحی تیمی۔ آپ خاندانی طور پر اصبحی ہیں اور باعتبار حلف تیمی ہیں کیونکہ ان کے دادا مالک بن ابی عامر، قبیلہ بنو تیم کے حلیف تھے۔

ولاءِ اسلام:

وہ افراد جو اسلام کی وجہ سے مولیٰ کہلائے جیسے: امام محمد بن اسماعیل بخاری جُعفی کے دادا مغیرہ مجوسی تھے، یمان جعفی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کی طرف منسوب ہو گئے۔

■❖■

ثقہ اور ضعیف راویوں کی شناخت

ثقہ اور ضعیف راویوں کی شناخت کا فن حدیث کے اہم علوم میں سے ہے کیونکہ اسی کے ذریعہ صحیح اور ضعیف حدیث کی شناخت کی جاتی ہے۔

ثقہ راوی:

وہ ہے جو عادل اور ضابط ہو۔

ضعیف راوی:

ضعیف راوی وہ ہے، جس کی عدالت اور ضبط مجروح ہو۔

■❖■

راویوں کے اوطان اور شہروں کی شناخت

عرب اپنی بدوی زندگی میں اپنے قبائل کی طرف منسوب تھے، لیکن اسلام کے آنے کے بعد جب شہرت غالب آئی تو پھر وہ شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب ہونے لگے۔

(۱) بسا اوقات عرب دو شہروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو اس وقت پہلی نسبت پرورش و پرداخت کے اعتبار سے اور دوسری نسبت منتقل ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اس صورت میں دوسری نسبت پر لفظ ''ثم'' داخل کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے **الفلان...... الحلبی ثم المدینی۔** تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص پیدائش کے اعتبار سے حلبی اور سکونت کے اعتبار سے مدینی ہے۔ لیکن اگر جائے پیدائش اور جائے سکونت کی شناخت نہ ہو سکے تو کسی بھی ایک مقام کی طرف نسبت کرنا صحیح ہوگا۔

(۲) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک راوی ایک جگہ کسی گاؤں کی طرف دوسری جگہ کسی شہر کی طرف اور تیسری جگہ کسی اور جگہ کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کہا جائے۔ **فلان البابی۔**

دوسری جگہ اسی شخص کو کہا جائے: **فلان الحلبی۔**

اور تیسری جگہ اسی شخص کو کہا جائے: **فلان الشامی۔**

تو ان مختلف نسبتوں کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ''الباب'' شہر حلب میں ایک جگہ کا نام ہے۔ اور شہر حلب ملک شام میں ہے۔ چنانچہ الباب میں پیدا ہونے والے شخص کی نسبت ان تینوں مقامات کی طرف صحیح ہوگی۔ عبداللہ ابن مبارک نے کسی جگہ کی طرف نسبت کے لیے وہاں چار سال قیام کی شرط لگائی ہے۔

مشہور تصانیف:

(۱) الانساب : سمعانی ۵٦۲ھ

(۲) کتاب الطبقات الکبریٰ: ابن سعد ۲۳۰ھ

كتب مراجع ومصادر

(۱) قرآن كريم

(۲) الجامع الصحيح للبخارى

(۳) صحيح مسلم

(۴) سنن نسائى

(۵) سنن الترمذى

(۶) سنن ابى داؤد

(۷) سنن ابن ماجه

(۸) تقريب اصطلاح المحدثين من افهام الطالبين، لابراهيم بن عبدالله القاسمى

(۹) الباعث الحثيث للحافظ ابن كثير.

(۱۰) نخبة الفكر لابن حجر العسقلانى.

(۱۱) نزهة النظر شرح نخبة الفكر.

(۱۲) تدوين حديث للأستاذ ابى سحبان روح القدس الندوى.

(۱۳) قطوف من الأدب النبوى لرياض صالح جنزرلى.

(۱۴) فتح البارى لابن حجر العسقلانى.

(۱۵) مناهل العرفان للاستاذ محمد عبدالعظيم الزرقانى.



ABDUL KHALIQ NADVI

Jamiatus Salihat, Rampur, U.P.

Pin: 244901